فون نمبر: 5863260 5862956 | مدیر: چوہدری ریاض احمد | نائب مدیر: حامد رحمن | رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532

Email: centralanjuman@yahoo.com | قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 100 | 26 ذوالحج تا 25 محرم الحرام 1435 ہجری یکم تا 30 نومبر 2013ء | شمارہ نمبر 22-21

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

حضرت مولانا صدرالدین رحمتہ اللہ علیہ

(امیر دوم، جماعت احمدیہ لاہور)
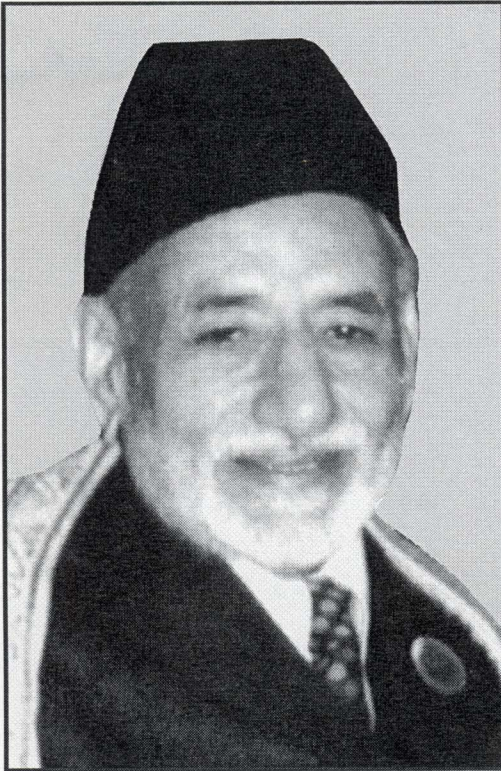
حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان رحمتہ اللہ علیہ

(امیر سوم، جماعت احمدیہ لاہور)

شورِ محشر

از حضرت مسیح موعود علیہ السلام

نقشِ ہستی تیری اُلفت سے مٹایا ہم نے
اپنا ہر ذرّہ تیری راہ میں اُڑایا ہم نے

تیرا میخانہ جو اِک مرجع عالم دیکھا
خُم کا خُم منہ سے بصد حرص لگایا ہم نے

شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے
تیرے پانے سے ہے اُس ذات کو پایا ہم نے

چُھو کے دامن تیرا ہر دام سے ملتی ہے نجات
لاجرم در پہ ترے سر کو جھکایا ہم نے

دلبر مجھ کو قسم ہے تیری یکتائی کی
آپ کو تیری محبت میں بھلایا ہم نے

بخدا دل سے میرے مٹ گئے سب غیروں کے نقش
جب سے دل میں تیرا نقش جمایا ہم نے

دیکھ کر تجھ کو عجب نور کا جلوہ دیکھا
نور سے تیرے شیاطین کو جلایا ہم نے

ہم ہوئے خیرِ امم تجھ سے ہی اے خیر رُسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام
مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

قوم کے ظلم سے تنگ آ کے میرے پیارے آج
شورِ محشر تیرے کوچہ میں مچایا ہم نے

(پیغام صلح، مئی ۲۰۰۳)

☆☆☆☆

خطبہ جمعۃ المبارک

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ 15 نومبر 2013ء (10 محرم الحرام 1435 ہجری)

بمقام جامع دارالسلام، لاہور

ترجمہ: ''پس مجھے یاد کرتے رہو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اُنہیں مُردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم محسوس نہیں کرتے اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دو۔ جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں یہی وہ ہیں جنہیں اُن کے رب کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے اور یہی وہ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں''۔

(سورۃ البقرہ ۲: آیت 157-153)

خدا کو یاد رکھنے کا مفہوم

ان آیات کی پہلی آیت میں آتا ہے **فاذکرونی اذکرکم واشکرولی ولا تکفرون** جس کا حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ترجمہ فرمایا ہے کہ ''پس مجھے یاد کرتے رہو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو''۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تفاسیر میں بعض جگہوں پر اس آیت کو یوں بیان کیا ہے کہ **''آسائش اور آسانیوں کے وقتوں میں مجھے یاد رکھو تا کہ جب تمہیں جب کوئی مصیبت آن پڑے تو میں تمہیں یاد کیا کروں''** اس لئے اللہ کے ساتھ خاص تعلق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اگر قرآن کا یہ حکم ہے 'ذکر کرو' تو انسان کہتا ہے کہ ہم اللہ کو یاد کریں گے لیکن خدا کو یاد رکھنے کا مطلب بہت وسیع ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر حال میں آزمائے جاؤ یا نہ آزمائے جاؤ اللہ کی یاد میں رہو اور جو انسان اللہ کی یاد میں رہے گا اس کے تمام احکامات پر عمل کرتا رہے گا اور اس کی زندگی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں بسر ہوگی۔ اس یاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والے بندے کم پائے جاتے ہیں۔

فاذکرونی اذکرکم واشکرولی ولا تکفرون اور جو آگے آیات آتی ہیں ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ قرآن کی یہ خاصیت ہے کہ ایک آیت کا دوسری آیت کے ساتھ Link یعنی ''تعلق'' اور ایک رکوع کا دوسرے رکوع کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

آسائش میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا یا ہمیشہ اپنی یاد میں رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت ہے کہ **''صبر سے اور صلوٰۃ سے اللہ کی یاد میں لگے رہو''** کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک اصول ہے کہ وہ مومنوں کو خوف، بھوک، مالوں کے نقصان، جانوں کے نقصان اور پھلوں کے نقصان کے ساتھ آزماتا ہے۔ پھل کے مفہوم میں انسان کی کمائی اور اولاد بھی ہے۔

آزمائش کیوں؟

اس لئے یہ آزمائشیں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہیں کہ وہ پرکھے کہ کون صبر کے ساتھ اس کے ذکر میں قائم رہے گا۔ اس کے لئے استقامت اور ایمان کی ضرورت ہے۔ اسی لئے ان آزمائشوں میں جو کہیں گے کہ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون** وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی عظیم ہستی کو پہچانتے ہوں، وہ یہ جانتے ہوں کہ یہ زندگی تھوڑی سی ہمیں دی گئی ہے یہ ختم ہونے والی ہے اور جو چیزیں ہم یہاں کما کر جائیں گے اس میں سے ایک پیسہ بھی ہمارے ساتھ دفن نہیں

کیا جائے گا اور نہ ہم لے جانے کے قابل ہیں۔

محرم کی اہمیت

آج کے عظیم دن میں نے ان آیات کا انتخاب کیا کیونکہ محرم الحرام کا آج دسواں دن ہے اور اس کا ان آیات سے بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ ہر سال جب محرم شروع ہوتا ہے، لوگ ایک دوسرے کو اسلامی نئے سال کی مبارک دیتے ہیں۔ تو انسان سوچتا ہے کہ کیا یہ محرم ''نیا سال مبارک'' جیسی چیز ہے؟ ہماری جتنی خوشی کے مواقع ہیں جیسے حال میں میں نے عید کے خطبہ میں کہا کہ ہماری تمام عبادات اور تہوار اور لوگوں نے جتنی رسمیں رکھیں ہیں وہ روحانی بنیاد پر ہیں۔ ایسے ہی اگر ہم محرم کے روحانی پہلو دیکھیں تو یہ اسلام کے لئے ایک ایسا واقعہ ہے جس میں اسلام کو ایک نئی قوت ملی اور اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحل کی طرف رخ ملا اور سوئی ہوئی قوم کو پھر سے جگایا گیا اور اگر وہ جاگ گئی اور یہ کامیاب بھی ہوگئی تو پھر خوشی منانے کے لئے بہت کچھ ہے کیونکہ ہم نے اس قربانی کربلا کی وجہ سے وہ چیز حاصل کرلی جس کے لئے وہ شہادت پیش کی گئی۔ اسلام میں اگر ہم روحانی طریقے سے سوچیں تو پھر واقعی ہمیں ایک دوسرے کو مبارک دینی چاہیے کہ آپ کو محرم الحرام مبارک ہو۔ جو شہید ہوئے ان کو روحانی زندگی بخشی گئی۔ تو پھر اس میں کوئی شک نہیں رہتا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس خاندان، ان کے بچوں اور بوڑھوں مرد وزن کے ذریعہ جو ہم پر احسان کیا وہ کبھی بھلا دینے والا احسان نہیں ہے۔ ہم اکثر نہیں سمجھتے۔ ہم محرم کو شیعوں کا تہوار سمجھنے لگ گئے ہیں۔ ہر سال محرم میں ہمیں یاد آجاتا ہے کہ یہ چیز ہوئی تھی اور پھر سے بھول جاتے ہیں۔

اسلام میں جتنی دفاعی جنگیں آئیں۔ اسلام کی پاسبانی کے لئے جتنے لوگوں نے اپنی زندگیاں اس کی راہ میں دیں اور زندگی کو نہ ترجیح دیتے ہوئے موت کو گلے لگالیا۔ اس میں میرا خیال ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل وعیال کی شہادت جو 72 کے قریب لوگ تھے یہ سنہری حروف میں لکھنے کے واقعی قابل ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنا انسانی زندگی کا مقصد پایا۔ انہوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور وہاں پر چھ ماہ کی عمر سے لے کر 91 سال کی عمر تک کے لوگ تھے جو نہایت بے دردی سے قتل کیے گئے۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایک مثال قائم کی جو ہمارے لئے ہمیشہ کے لئے نمونہ بن گیا اور اس کے لئے ہم آپؓ کے شکرگذار ہیں۔

ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا لٹریچر پڑھیں تو امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت تعریف لکھی گئی ہے۔ ان کی پاکبازی ہمارے لئے نمونہ، ان کی نیکیاں ہمارے لئے نمونہ، ان کی استقامت، ان کی شجاعت، ان کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ، ان کا ایمان اور حق کی خاطر اپنے خاندان کی جانوں کو قربان کر دینے کا جذبہ اور اس کا حق ادا کرنا ہمارے لئے نمونہ ہیں۔

اسی طرح ہم بھی آزمائے جاتے ہیں۔ ہم اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ کر ڈرتے رہتے ہیں کہ کچھ ہو نہ جائے۔ آج سارا پاکستان ڈر رہا ہے کہ کچھ ہو نہ جائے لیکن کیا یہ جذبہ نہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی خاطر ہم یہ زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔ جس دن اللہ نے چاہا اس نے یہ زندگی ختم کر دینی ہے اور ہم نے بخوشی کہنا ہے کہ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔**

تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کی پرواہ نہ کرنا بھی اس نمونہ سے سیکھ سکتے ہیں اور جو شہید ہوئے ان کا ہم شکریہ بھی ادا کر سکتے ہیں کہ ایسی شخصیات دنیا میں آئیں جن کی قربانیوں کی وجہ سے آج بھی اسلام زندہ ہے۔ اس کو نئی زندگی اس وقت ملی جب اس کا نام ونشان مٹا دینے والے لوگ پس منظر پر آچکے تھے اور حق و باطل کی جنگ ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی حق و باطل کی مثال ہمارے پاس ہے۔ پہلی مثال تو حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں (ھابیل اور کابیل) کی وجہ سے لڑائیوں کا اور حق کے لئے جان دینے کا آغاز ہو چکا تھا۔

اور ہر ایک زمانے میں اچھائی اور برائی کا جود ہوتا ہے اور برائی کا وجود دیکھ کر ہی اچھائی کی قدر آتی ہے۔ جب تک ہم اندھیرے کی قدر نہیں جانتے اس وقت تک ہم روشنی کو پہنچان نہیں سکتے۔ جب تک ہم بیماری نہیں دیکھتے اس وقت تک ہم صحت کی قدر نہیں کر سکتے۔ تو ہر چیز کے منفی پہلو کو دیکھ کر ہم بتاتے ہیں کہ اس کا

مثبت کیا ہے اور اس کی قدر آتی ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مکہ کیوں چھوڑا

اگر حضرت امام حسینؓ اس وقت سمجھوتہ کر لیتے اور مکہ میں ہی رہ جاتے یا ان کے ساتھ شرائط لگا کر اپنے لئے اچھی زندگی اور اعلیٰ منصب قبول کر لیتے، یہ چیزیں ممکن تھیں لیکن یہ سمجھوتہ انہوں نے نہیں کیا حالانکہ ان کو دھمکیاں آ رہی تھیں کہ بیعت کرو ورنہ تمہاری زندگی کے یہ آخری ایام ہیں۔

حج کے دوران ہی آپؓ کو یہ خبر آ چکی تھی کہ آپ کے قتل کے لئے لوگ روانہ کر دیئے گئے ہیں اور حضرت امام حسینؓ نے اپنے حج کو ادھورا چھوڑ کر اپنے 70 ساتھیوں کو لے کر مکہ سے کوفہ کی طرف براستہ کربلا روانہ ہو گئے۔

اب ہمارے سامنے دو اقدام ہیں یا تو حضرت امام حسینؓ مکہ میں رہتے ہوئے صلح کو ترجیح دیتے یا مکہ میں رہ کر اپنے لئے ایک فوج تیار کر لیتے اور اپیل کرتے کہ میں رسول کریم صلعم کا نواسہ ہوں اور آج میرے اوپر بڑے دشمن آ رہے ہیں آپ سب ان کا مقابلہ کرو، یہ بھی ہو سکتا تھا لیکن جس کی وجہ سے آپ نے مکہ چھوڑا وہ مکہ کی حرمت تھی کہ یہاں گلیوں میں خون خرابہ نہیں ہونا چاہیے اس میں رسول کے اہل کا خون نہیں بہنا چاہیے۔ کوفہ والے آپ کو بہت عرصہ سے بلا رہے تھے اس لئے آپ اُس طرف چلے گئے لیکن کسی کے دل میں نکلتے وقت کوئی شک نہیں تھا کہ آپ شہادت کی طرف جا رہے ہیں۔ **کیونکہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی تھی کہ حسینؓ کی شہادت کربلا میں ہوگی۔**

اس لئے وہ دل میں یہ خیال لے کر نہیں نکلے تھے کہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہم کوفہ پہنچ جائیں گے بلکہ کوفہ میں پہلے ہی مسلمانوں کو بلا کر شہید کیا جا رہا تھا تو کیا پتہ تھا کہ وہاں پر جا کر یہ کچھ ہو جاتا۔ لیکن اگر امام حسینؓ اس بات کو ترجیح دے دیتے کہ میں یہاں پر ہی بیٹھتا ہوں جب مارنے آئیں گے مار دیں گے یا ممکن ہے کہ نہ مار سکیں گے۔ اگر ان کو وہ مارنے والے آ کر مکہ میں مار ہی دیتے تو یہ ایک تاریخ کا ایسا واقعہ ہوتا جو اب تک دنیا بھول گئی ہوتی، بہت سارے لوگ مرتے ہیں اور بہت سی Investigations ہوتی ہیں۔ سکاٹ لینڈ یارڈ بھی آتی ہے اور آخر کوئی پتہ نہیں چلتا۔ ہم پاکستان کی تاریخ دیکھیں تو کتنے ہی سربراہان کو کیا کیا نہیں ہوا لیکن کسی کو کسی کمیٹی نے کوئی رپورٹ نہیں دی۔ بس یہی ہوتا ہے کہ حضرت رسول کریم صلعم کا نواسہ مارا گیا ہے تو کچھ دن لوگ خفا رہتے، پھر اس کے بعد کاروبار اپنی جگہ پر آ جاتا اور اسلام بھی اپنی جگہ پر آرام سے چلتا رہتا۔ انہوں نے یہ ترجیح دی کہ میں باہر نکل کر اپنی جان کو آگے جا کر ایسی جگہ پیش کروں گا جہاں سب دیکھیں اور گواہ بن جائیں اور اس طرح ہمیشہ کے لئے واضح ہو جائے۔ چونکہ یہ واقعہ کھلی جگہ پیش آیا اور یہ تمام واقعات کی داستان ہم آج کل ٹیلی ویژن پر سنتے ہیں کہ چھوٹے بچے بھی پیاس سے بلک رہے تھے اور ان کو بھی جب رحم کی اپیل کے لئے پیش کیا گیا تو انہیں بھی تیروں کا نشانہ بنایا گیا۔ پانی کے مشکیزے کو بھی نشانہ بنایا گیا کہ کوئی بھی پانی نہ پی سکے، کھانا تک بند کر دیا گیا۔ تو کربلا میں سب نے ایک اعلیٰ کردار اور اللہ سے تعلق کا مظاہرہ کیا۔ عورتیں، مرد، بوڑھے، بچے تمام نے اسلام کی راہ میں اپنی قربانی پیش کر دی۔ اور جب یہ جابر انسان جو کہ قرآن پر عمل کر رہا تھا اور نہ ہی رسول کریم صلعم کی تعلیم پر عمل کر رہا تھا اس نے اس خاندان کو جو عزت والا خاندان تھا شہید کر ڈالا اور تمام دنیا نے دیکھا کہ یزید کتنا بدترین انسان تھا۔

یزید کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فرمان:

”ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع، دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا۔ جن معنوں کی رُو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنی اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی سہل امر نہیں ہے۔۔۔ مگر حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ طاہر مطہر تھا اور بلاشبہ وہ ان برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنے محبت سے معمور کر دیتا ہے اور بلاشبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے۔“

(اشتہار ”تبلیغ الحق“ ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

حضرت زینب جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ رکھا اور انہوں نے جا کر یہ داستان گلی گلی کوچے کوچے میں سنائی کہ یہ ظلم اس انسان نے کیا جو خلافت کی خوابیں دیکھ رہا تھا۔ جو یہ خوابیں بھی دیکھ رہا تھا کہ خلافت اس ہی کے خاندان میں رہے اور خلیفہ بھی اسی ہی کے خاندان سے بنتے جائیں یعنی وہ بادشاہت بنا رہا تھا۔

حضرت امام حسینؓ اسلام کے عظیم Hero (ہیرو) ہیں

اسلام کی اہم شخصیتوں کو ہم جیسے بھی پیش کریں، اپنے ہیروز کو ہر کوئی زیادہ آگے بیان کرتا ہے۔ ''جینزم'' کے متعلق پڑھیں تو اس میں ایک روحانی شخصیت جو مہاویر کہلاتا ہے یعنی The Big Hero اسے پیش کرتے ہیں کہ یہ نہ آتا تو آج ''جینزم'' کا نام لینے والا دنیا میں کوئی نہ ہوتا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ بھی Big Hero بن کر آئے اور اسلام کی جو کمزور حالت تھی اس کو انہوں نے دوبارہ اپنی قربانی دے کر دنیا کے آگے پیش کیا۔

حضرت امام حسینؓ کے متعلق غیر مسلموں کی آراء

ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے حضرت حسینؓ کو عظیم ہیرو کہیں گے، اس کا اثر صرف مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ دنیا کی بہت ساری ہستیاں جو غیر مسلم تھیں ان پر بھی ہوا۔ درجنوں ایسے تعریفی کلمات ہیں جن کی وجہ سے غیر مسلموں نے امام حسینؓ کی عظمت کو سراہا۔ ان میں سے چند آپ کے سامنے پیش ہیں:

ماتما گاندھی فرماتے ہیں:

''میں نے حسین سے سیکھا کہ جبر کے حالات میں فتح کیسے پائی جاتی ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ حسینؓ جیسی ہستیوں کی قربانیوں کی وجہ سے پھیلا ہے۔ میں انہیں خدا رسیدہ انسان مانتا ہوں۔''

رابدہ کرشن فرماتے ہیں:

گو کہ امام حسینؓ نے اپنی زندگی سالہا سال پہلے پیش کر دی لیکن اس کی لازوال روح آج بھی لوگوں کے دلوں میں راج کرتی ہے''۔

پنڈت جواہر لال نہرو فرماتے ہیں:

''امام حسینؓ کی قربانی تمام لوگوں اور قوموں کے لئے سچائی کی راہ ہے کہ وہ اپنی سچائی کی راہ پر ڈٹے رہنے کی مثال بن گئے۔''

چارلس ڈکنز فرماتے ہیں:

''اگر حسین دنیاوی خواہشات کے لئے لڑ رہے ہوتے جیسے کہ عیسائی نکتہ چین کہتے ہیں تو پھر میں نہیں سمجھ پاتا کہ اپنی بہن بیوی اور بچوں کے ساتھ کیوں روانہ ہوئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف اور صرف اسلام کے لئے لڑ رہے تھے''۔

توماس کارلیل Thomas Carlyle فرماتے ہیں:

''جو ہمیں کربلا سے سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ حسینؓ اور اُن کے ساتھی خدا میں مکمل یقین رکھتے تھے، جنہوں نے ثابت کیا کہ تعداد کی کثرت سچائی کے آگے اہمیت نہیں رکھتی ایسی ہی فتح حسینؓ کی ہے اور وہ میرے لئے بہت ہی حیران کن واقعہ ہے''۔

آج کے دن اگر ہم غیر جانبدار ہو کر سوچیں تو واقعی اسلام اس دن موت کے قریب حالت سے اللہ تعالیٰ کے اس بندے کی بہت بڑی قربانی کی وجہ سے دوبارہ زندہ ہوا۔ لوگ یزید کو بھول جائیں گے لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوئی نہیں بھول سکے گا۔

ہماری جماعت میں شہادت کا اعلیٰ نمونہ

ہماری جماعت میں بھی صاحبزادہ عبدالطیف شہید نے افغانستان میں ایسی شہادت قبول کی، موت کو سامنے دیکھتے ہوئے بھی اپنا دین نہ چھوڑا۔ زمین میں گاڑے جانے اور سنگ ساری کو برداشت کر کے شہادت حاصل کی۔ بادشاہ آخری وقت ان کے کان میں کہہ رہا تھا کہ میرے کان میں کہہ دو کہ میں نے مرزائیت چھوڑ دی ہے۔ صاحبزادہ عبدالطیف شہید کے خون نے بھی ہمیں ایمان باللہ اور استقامت کا نمونہ دیا اور ایک نئی زندگی اس جماعت کو بخشی ہے۔ ہم ان کی شہادت کا قرض ہی ادا نہیں کر سکتے۔

ہم جب آزمائشوں میں سے گزرتے ہیں تو یہ نمونہ ہمیں حوصلہ دیتا ہے اور ہمارے قدموں کو اللہ ڈگمگانے سے بچا لیتا ہے۔

آج جیسے دن ہمارے لئے موقع ہوتے ہیں کہ ہم اس کی طرف بھی سوچیں کہ ہم کیسے اپنے آپ کو اس مقام پر لے جاسکتے ہیں جہاں پر یہ لوگ پہنچے، اس کا جواب پہلی آیت ہی میں مل جاتا ہے: ''فاذکرونی اذکر کم'' ہمیں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہمیشہ لگے رہنا چاہیے اس کی کبریائی، اس کی پاکیزگی، اس کا رحم، اس کی رحمانیت، اس کا غفور ہونا ایسی خوبیاں ہیں جن کو ہمیں اپنے اندر پیدا کرنے کی جستجو میں لگے رہنا چاہیے اور یہی ذکر الٰہی کی بنیاد ہیں۔ جہاں ہم لوگوں کو معاف بھی کریں اور

لوگوں پر رحم بھی کریں۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی خوبیاں اسی لئے بیان کی ہیں کہ جس کو مانتے ہو اس کے رنگ میں رنگین ہو جاؤ اور اسی کے عبد بن جائیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ: ''اللہ کا رنگ، اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں''۔ ایسے ہی پہلے لوگ اس کے رنگ میں رنگین ہوئے اور اُسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت امام حسینؓ نے اپنی زندگی کی پرواہ نہ کی۔

علامہ اقبال کے ان اشعار سے میں اپنے خطبہ کا اختتام کرتا ہوں:

ہر ابتداء سے پہلے ہر انتہاء کے بعد
ذات نبیؐ بلند ہے ذات خدا کے بعد
دنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰؐ کے بعد
قتلِ حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

دُعا

اللہ تعالیٰ امام حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی کو کبھی رائیگاں نہ کرے اور اسلام کو ہمیشہ زندہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ زندگی بخشے جس کی خاطر ہماری اپنی جماعت کے لوگوں نے بھی اس کے لئے اپنی جانوں تک کی پرواہ نہ کی۔ کہ ہم اسلام کی شمع کو روشن رکھیں اور اس کو بجھنے سے ہمیشہ بچاتے رہیں کیونکہ اس زمانے میں یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اسلام کا دفاع کریں۔ ہماری جماعت دفاع اسلام کے لئے ہی وجود میں آئی۔

اپنے عزیز ملک پاکستان کی سالمیت اور حفاظت کے لئے بہت دعاؤں کی ضرورت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ اپنی حفاظت میں رکھے۔ جماعت کے تمام ممبران کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے حفاظت کی دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام بیماروں کو صحت عطا فرمائے اور حاجت مندوں کی حاجت پوری کرے۔ آمین

☆☆☆☆

محمد صالح نور مرحوم ومغفور

خوئے وفا

تیری مخلوق میں خوفِ خدا باقی نہیں ہے
کسی کے دل میں بھی خوئے وفا باقی نہیں ہے
کُھلی ہیں سب وہ راہیں جو تیری سرکار میں جائیں
مگر انسان میں شوقِ لقا باقی نہیں ہے
یہاں پر کس لئے نفرت نے الفت کی جگہ لے لی
چمن میں کیوں وہ پہلی سی فضا باقی نہیں ہے
جہاں والوں نے طوفاں کے حوالے کر دیا ہم کو
ہمارا کوئی بھی تیرے سوا باقی نہیں ہے
خدا کے واسطے ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو
کوئی بھی تو سلوکِ ناروا باقی نہیں ہے
ہلا دو عرشِ اعظم کو دعاؤں سے مرے پیارو
علاجِ غم کوئی اب دُوسرا باقی نہیں ہے
مجھے کہتے ہوئے لاج آرہی ہے رُوحِ شاعر سے
خودی زندہ تو ہے دل میں خدا باقی نہیں ہے

☆☆☆☆

ایک پرعزم، خدا پر کامل اور غیر متزلزل ایمان کا مجسم

حضرت مولانا صدرالدین مرحوم ومغفور

ناصر احمد۔(لندن)

آج سے ٹھیک ۳۲ سال پہلے ۱۵ نومبر ۱۹۸۱ء کو حضرت مولانا صدر الدین صاحب (امیر دوم) اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ایک مدت تک ہم جامع احمدیہ بلڈنگس میں ان کی تقاریر اور خطبات سنتے رہے۔ ہم ان کے وجود کو احمدیہ بلڈنگس میں یوں محسوس کرتے تھے جیسے کوئی شفیق باپ اپنے خاندان کے افراد کی مشفقانہ سرپرستی کرتا ہو۔ان کی پُر اثر شخصیت، خود اعتمادی، حوصلہ مندی، شجاعت پوری جماعت کے لئے بالعموم اور احمدیہ بلڈنگس کے مکینوں کے لئے بالخصوص بڑی ڈھارس کا موجب تھی۔مختلف نازک اور پُر خطر موقعوں پر ہم ان کے ایمان اور حوصلہ سے اپنی ہمتوں کو بڑھانے اور مشکلات کو برداشت کرنے کی قوت پاتے۔ان کی نفاست پسندی، نیکی، پاکیزگی، شگفتہ مزاجی اور دین سے لگاؤ ہمیں نیک زندگی گذارنے کے لئے ایک نئی امنگ اور شوق بخشتا۔ حضرت مولانا مرحوم حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ سے فیض یافتہ تھے جن کے رخصت ہونے سے تحریک احمدیہ لاہور کے سنہرے دور کی ایک اور نہایت اہم نشانی رخصت ہوئی۔احمدیہ بلڈنگس ایک ایسے بزرگ سے محروم ہوگئی جو اس کی عظمت رفتہ کا ایک نشان تھا۔خداوند کے حضور دست بدعا ہوں کہ وہ حضرت مولانا مرحوم پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل فرماتا رہے۔اور انہیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

اے خدا بر تربتِ او بارش رحمتِ ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

حضرت مولانا مرحوم نہایت ہی اعلیٰ پایہ کے مقرر تھے۔ان کا طرز بیان نہایت سادہ لیکن دلکش اور پُر اثر ہوتا تھا۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اسلامی تاریخ کے واقعات کو اس طریق پر بیان کرتے کہ واقعات ذہنوں میں محفوظ ہوجاتے۔اپنی تقاریر اور خطبوں میں ہر جملہ اور ہر دلیل اس یقین اور خود اعتمادی سے بیان کرتے کہ سننے والے پر دیر تک اس کا اثر رہتا۔وہ اکثر اپنے خطبوں میں خداخوفی کی زندگی گذارنے پر بہت زور دیتے تھے۔آج بھی ان کے ادا کئے ہوئے قرآن مجید کے الفاظ اتقو اللّٰہ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔

اپنی زندگی کے آخری ایام میں ان میں کافی کمزوری آچکی تھی اور حضرت مولانا مرحوم اوپر کی منزل سے نیچے نماز کے لئے مسجد میں نہ آسکتے تھے لیکن اس حالت میں بھی ان میں ہمیشہ جیسی تمکنت، ہمت اور عزم موجود تھا۔ان کی زندگی کے آخری سال کی بات ہے۔تربیتی کورس کے لئے نوجوان مختلف جماعتوں سے مرکز میں تشرلف لائے ہوئے تھے۔نوجوانوں کا حضرت مولانا سے ملاقات کا انتظام کیا گیا۔اس پروگرام کا انتظام محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے کیا تھا چنانچہ سب نوجوانوں کے ہمراہ وہ خود بھی تشریف لے گئے۔ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ شاید کمزوری کے باعث حضرت مولانا نوجوانوں سے کچھ خطاب نہ کرسکیں گے اس لئے انہوں نے کہا کہ مولانا نوجوانوں کے لئے دعا فرماویں۔ڈاکٹر صاحب کی توقع کے خلاف حضرت مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا: ''ٹھہریئے'' ہم سب یک لخت حضرت مولانا کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے نوجوانوں کو نصیحت فرمائی کہ:

''وہ جہاں بھی ہوں جس کام میں بھی مصروف ہوں، ملک میں ہوں یا ملک سے باہر ہوں، تعلیم حاصل کررہے ہوں یا تجارت کرتے ہوں، اپنی زندگی کو خدا سے ڈر کر گذاریں کیونکہ یہی اسلام ہے اور اسی میں کامیاب زندگی کا راز مضمر ہے۔''

حضرت مولانا نے چند منٹ تک اسی قسم کی نوجوانوں کو نصیحتیں فرمائیں اور پھر دُعا کی۔

تحریک احمدیہ لاہور کی ترقی اور استحکام میں حضرت مولانا صدر الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا حصہ اہمیت کے لحاظ سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ انگریزی اخبار ''لائٹ'' کا اجرا ہو یا پیغام صلح کا ابتدائی دور، انجمن کے تعلیمی میدان میں کارہائے نمایاں ہوں یا انگریزی ترجمۃ القرآن کے پہلے ایڈیشن کی انگلستان میں طباعت واشاعت، ووکنگ مسلم مشن کی اسلامی خدمات ہوں یا ماہنامہ اسلامک ریویو کی ادارت، جرمن مسلم مشن کا قیام ہو یا برلن مسجد کی تعمیر، انجمن کے لئے زرعی زمینوں کا حصول ہو یا احمدیہ بلڈنگس میں مارکیٹوں کی تعمیر، غرضیکہ ہر ایک کام میں حضرت مولانا کی ہمت، استقلال، قوتِ ایمانی، شجاعت، اسلام کے لئے محبت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیرت کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔

انگلستان کی ایک نومسلم خاتون مسز آولوٹوٹو نے ووکنگ مسلم مشن انگلستان کی تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں خدمات کا ذکر ''مشرق کے تین دانشور'' کے عنوان سے انگریزی کی کتاب اسلام اور جائیس یعنی ''میرا قبول اسلام'' میں کیا ہے۔ اور اس ضمن میں حضرت مولانا صدرالدین رحمتہ اللہ علیہ کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

''ووکنگ مسجد میں ہر اتوار کو لیکچر ہوتے تھے۔ یہ لوگ مشرق سے آئے تھے اور اپنے دین کی دعوت وتبلیغ کے لئے سب کچھ قربان کر کے مغرب کی انجان بستی ووکنگ میں آبیٹھے تھے۔ یہاں کے باسی ان کی بدیسی ذات اور ان کے اجنبی مذہب کے خلاف تھے۔ بڑی مخالفت ہوئی مگر ان نو واردین کا صبر گویا پتھر کی طرح مضبوط تھا۔ ہم ان مشرقیوں کو سنتے۔ وہ تین تھے۔ ان کے سروں پر خوبصورت پگڑیاں تھیں۔ اس وقت ہم ان کو مشرق کے وہ تین دانشور خیال کرتے تھے جن کا ذکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلہ میں آتا ہے کہ وہ ایک ستارے کی رہنمائی میں ایک ایسے مہد کی تلاش میں سرگرداں تھے جس میں ایک معصوم وحسین بچہ آرام کر رہا ہے۔ (جس کا ذکر بائیبل میں ہے)۔ اُس وقت میں بچی تھی اور اپنے والد مرحوم کے ساتھ اکثر مسجد ووکنگ آیا کرتی تھی اور خیال کرتی تھی کہ یہ تینوں یعنی منشی نور محمد صاحب، حضرت خواجہ کمال الدین صاحب اور حضرت مولانا صدر الدین صاحب وہی تین دانشور ہیں جو کتاب میں شائع شدہ تصویر میں دکھائے گئے ہیں۔ جب میں جوان ہوئی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ واقعی مشرق کے تین دانشور تھے جو ایک ستارہ یعنی اسلام کی پیروی کرتے ہوئے اس مہد کی تلاش میں یہاں آنکلے تھے، وہ اسلام کی پرورش وتربیت کے لئے اور اس کو پروان چڑھتے دیکھنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر کے اس اجنبی دنیا میں آبیٹھے تھے۔ وہ مہد جو انہوں نے تلاش کیا ووکنگ مسجد تھی۔

میں آج سوچ رہی ہوں کہ وہ تین دانشور جو یہاں ایک مہد کی تلاش میں اپنا گھر بار، دوست احباب چھوڑ کر آئے تھے پوری طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہیں اور ان کی قربانیاں مقبول ہیں۔ ایک وقت تھا کہ عید کے موقع پر چند افراد دیکھنے میں آتے تھے مگر آج ہزاروں لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں۔ کاش وہ تینوں دانشور اس منظر کو دیکھتے۔ مگر اب ان میں سے صرف ایک حضرت مولانا صدرالدین صاحب دیکھنے والے رہ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بہترین نوازشوں سے متمتع فرمائے جنہوں نے انگلستان میں اسلام کا بیج بویا''۔

اب وہ تیسرا دانشور بھی ہم سے رخصت ہو چکا ہے اور ہم ان کی یاد کو تازہ رکھنے کی کوشش میں ہیں۔

اب ذرا مغربی جرمنی کے شہر برلن چلیں جہاں حضرت مولانا صدر الدین صاحب کا زندہ وجاوید کارنامہ برلن مسجد موجود ہے۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ حضرت مولانا کی طرح اس کی عمارت بھی کشادہ، پرشکوہ اور نفیس ہے۔ اس کو دیکھ کر انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ یورپ کے مرکز میں ایسی شاندار مسجد کی تعمیر کیونکر ممکن ہوسکی۔ یہ مسجد جماعت احمدیہ لاہور کے مخلص مردوں اور عورتوں کا مغرب میں تبلیغ اسلام کے لئے بے مثال جذبہ اور قربانی کا زندہ ثبوت ہے۔

حال ہی میں ایک جرمن نومسلم صحافی نے جرمنی میں اسلام کی تاریخ کے موضوع پر کتاب شائع کی ہے۔ جس میں ایک پورا باب جرمن مسلم مشن اور برلن مسجد کی اسلامی خدمات کا شاندار الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ اس باب کا جرمن سے انگریزی میں ترجمہ ہمارے نومسلم نوجوان بھائی سلیم احمد صاحب نے لندن سے ارسال کیا ہے۔ جو لائٹ اخبار میں شائع ہو چکا ہے۔ اس وقت موقع کی مناسبت سے چند اقتباسات کا ذیل میں اُردو ترجمہ درج ہے:

''جرمنی میں ۱۹۲۴ء تک صحیح معنوں میں مسلم تنظیم کا وجود نظر نہیں آتا مگر ۱۹۲۴ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور پاکستان (جو ربوہ/ قادیان کی احمدیہ تحریک یا مشن سے الگ ہے) کے ہندوستانی امام مولانا صدرالدین صاحب نے برلن میں مسجد کی تعمیر کے ارادے سے ایک مسلم انجمن قائم کی۔ اس مسجد کو لاہور (پاکستان) میں موجود ان کی جماعت کے منصوبہ کے مطابق یورپ میں اسلامی مرکز کے طور پر استعمال ہونا مقصود تھا''۔

''اس مسجد کا افتتاح ۲۶ اپریل ۱۹۲۵ء کو مسلم انجمن برلن کے سربراہ مولانا صدرالدین صاحب کے ہاتھوں ہوا۔ اس اہم تقریب میں شرکت کرنے والی ممتاز شخصیتوں میں کمال پاشا سمیع، سفیر ترکی، ایرانی سفیر جناب سری ہوس ساتا صدری اور افغانستان کے سفیر سردار غلام صدیق خان صاحب بھی شامل تھے۔۔۔۔ شروع سے ہی برلن مسجد مسلمانوں اور دیگر اقوام کے لئے کھلی رکھی گئی۔ افتتاح کی تقریب کے موقع پر امام صاحب نے فرمایا:

''ہماری مسجد فراخدلی کے ساتھ خدا کی وحدانیت اور انسانی بھائی چارہ کا درس دیتی رہے گی۔ یہ عبادت گاہ ہمیشہ یہ واضح کرتی رہے گی کہ ہم سب کا آقا صرف اور صرف خدائے واحد ہی ہے۔ یہ اس ملک میں بہانگ دہل اعلان کرتی رہے گی کہ ہم بلاتفریق تمام انبیاء کی تعظیم کرتے ہیں خواہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نیز اس امر کا بھی اعلان کرتی رہے گی کہ ہم تمام صحفِ مقدسہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ خواہ وہ عہد نامہ جدید ہو یا عہد نامہ عتیق یا قرآن مجید''۔

''۱۹۳۹ء تک اس مسجد سے جرمن زبان میں خاصی تعداد میں قیمتی تصانیف منظر عام پر آئیں۔ جس کا ایک بڑا حصہ آج بھی برلن فری یونیورسٹی لائبریری اور واشنگٹن کی کانگریس لائبریری میں موجود ہے۔

''۱۹۳۸ء میں مسجد کا ایک نادر تحفہ یعنی قرآن کریم کا پہلا بمع عربی متن جرمن ایڈیشن مترجمہ مولانا صدرالدین صاحب شائع ہوا۔ فاضل مترجم نے ترجمہ کے ساتھ تفسیر کا اضافہ بھی کیا۔ اس کا دیباچہ جرمن اور عیسائی قارئین کے لئے بے حد مفید ثابت ہوا۔ اس کے دیباچہ میں حضرت مولانا موصوف فرماتے ہیں: ''جرمن میں اسلام کو غیر متعصّبانہ ممنونیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ مجھے یقین کامل ہے کہ جرمنی کے عوام ایک مسلمان کا کیا ہوا جرمن میں ترجمہ کو بھی دوستانہ خوش آمدید کے ساتھ قبول کریں گے۔

''برلن مسجد میں رکھی گئی مہمانوں کے تاثرات کی کتاب کے مطالعہ سے اس کی بین الاقوامی حیثیت کا پتہ چلتا ہے جو جنگ عظیم دوم کی ابتداء تک اس اسلامی مرکز کو حاصل تھا۔ چند مہمانوں کے نام یہ ہیں:

''صدر لیگ آف نیشنز، سر آغا خان۔ چیف آف دروزی امیر شکیب ارسلان، اس وقت کے مراکش کے شیخ الاسلام کے صاحبزادے موسیٰ ودہالی، مہاراجہ آف بروده، سر مرزا اسماعیل وزیر اعظم میسور، بھوپال کے وزیر مملکت میر لائق علی اور جسٹس سر عبدالقادر۔ اس کتاب میں برلن کے مقام پر ۱۹۳۶ء کی اولمپک کھیلوں میں حصہ لینے والے مسلمان کھلاڑیوں کے بھی دستخط موجود ہیں''۔)

''اس بات کا ذکر بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ عظیم اسلامی مفکر، فلاسفر اور شاعر علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ جن کی وفات ۱۹۳۸ء میں ہوئی اس مسجد کے دوست اور معاون تھے''۔

یہ پورا مضمون نہایت دلچسپ ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت مولانا صدرالدین صاحب کی اسلامی خدمات نہایت درخشاں ہیں ان کی شخصیت اور ان کے کارنامے احمدی نوجوانوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے حالات کو پڑھیں ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی زندگیوں میں نیک مقاصد کے حصول کے لئے جذبہ اور ایمان کو پیدا کرنے کی کوشش کریں اور خدا کی رحمتوں کے وارث بنیں۔

☆☆☆☆

چھین لے وہ ہم سے تیری یاد یہ ممکن نہیں

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان مرحوم و مغفور

ترتیب و تدوین: حامد رحمٰن

اے گل چین اجل تجھ سے کیا نادانی ہوئی
پھول وہ توڑا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی

کسی بھی انسان کی زندگی کا علمی احاطہ کرنا ایک مشکل عمل ہے اور پھر خصوصاً ایک ایسے شخص کا جو ایک گمنام دیہات سے اُٹھ کر ایک عالمگیر شخصیت بن کر ہزاروں انسانوں کی زندگی کو جذباتی، روحانی اور جسمانی و فکری طور پر متاثر کر دے۔ ایک خدا رسیدہ فقیر منش حکیم کا اکلوتا بیٹا جو عظیم ڈاکٹر بنا۔ خود ٹی بی کا شکار ہوا معجزاتی طور پر شفا پائی اور پھر اسی مرض سے برسر پیکار ہوا۔ یہ مرض جو اس زمانہ میں لاعلاج تصور ہوتا تھا اس کے سایہ سے لوگ بھاگتے۔ اپنے بھی ایسے مریض سے کنارہ کش ہوتے مسیحا بن کر اس مردِ مجاہد نے بے شمار بجھتے چراغوں کو زندگی کی لو بخشی اور پھر زندگی کا بہترین حصہ بمع اہل و عیال انہی مریضوں کے درمیان بطور سپرنٹنڈنٹ ڈاڈر سینی ٹوریم گذار دیا۔

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان اپنے والدین کی دوسری اولاد اور اکلوتے فرزند تھے۔ آپ کے عم زاد بھائی حکیم محمد اسحاق آپ سے کافی بڑے تھے اور ہمشیرہ نور جہان بیگم بھی سمجھدار ہو چکی تھیں اس لئے آپ گھر بھر کی آنکھ کا تارہ تھے۔ ایک طرف والد اور چچا حکیم مولوی محمد یعقوب صاحب کے پیار اور لاڈ کا مرکز اور دوسری طرف ماں اور بہن ناز برداری کے لئے ہر وقت موجود۔ مگر عمدہ تربیت اور گھر کے ماحول نے آپ کو بگڑنے نہیں دیا بلکہ اسی ماحول کے اثرات آپ کی شخصیت میں نمایاں ہوئے اور بچپن میں ہی آپ کے مضبوط کردار اور ہشت پہلو شخصیت کی داغ بیل پڑ گئی۔

آپ کا کنبہ چند نفوس پر مشتمل تھا مگر اس مختصر سے کنبے کے ہر فرد کے دل میں ایمان کی شمع روشن تھی اور ہر نفس احمدیت کے نشے میں سرشار تھا۔ نماز، روزہ اور ذکر قرآن و حدیث ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

اکثر موسم سرما میں رات کے کھانے سے فارغ ہو کر تندور کے بجھتے ہوئے انگاروں کی تپش سے حرارت حاصل کرنے کے لئے آپ کے والد اور چچا تندور کے پاس بیٹھ جاتے تو آپ ضرور ساتھ ہوتے اور کافی دیر تک مجلس رہتی۔ دین، قرآن اور اشاعت دین کی باتیں ہوتیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا اور مسیح موعود علیہ السلام کی باتیں ہوتیں۔ اس طرح گھر سے باہر قدم رکھنے سے پہلے ہی آپ دین اسلام اور احمدیت کی محبت سے سرشار تھے۔ علم و حکمت، ذہانت، عقل اور دانش اور فہم قرآن باپ سے وراثت میں پایا تو صبر و تحمل، بردباری اور کشادہ دلی ماں سے ورثے میں ملی۔ طہارت و تقویٰ، زہد و عبادت کے ساتھ ساتھ خوش طبعی، صلہ رحمی، انکساری اور انسان دوستی اپنے چچا سے حاصل کی۔

کم عمری ہی میں مولوی حیات اللہ نامی ایک بزرگ آپ کو قرآن پڑھانے پر مقرر ہوئے اور انہوں نے نہایت توجہ بلکہ بہت سختی گیری سے قرآن کی تعلیم دی۔ ان کی سخت گیری کا ذکر آپ اکثر فرماتے تھے۔ قرآن کی تعلیم مکمل ہوئی تو آپ کو داتا نامی گاؤں کے سکول میں داخل کر دیا گیا جہاں جماعت سے وابستہ سید خاندان کے بزرگان آپ کے سرپرست تھے۔ ایک دفعہ ہفتہ کی تعطیل گذارنے گاؤں آئے اور اگلے دن سکول واپس جانے سے انکار کر دیا۔ ماں اور بہن نے پیار سے دلار سے سمجھایا مگر بیکار۔ باپ اور چچا گھر سے باہر گئے ہوئے تھے، ماں جانتی تھی کہ اگر اس وقت نرمی دکھائی تو پھر تعلیم رہ جائے گی۔ خود تو سختی کر نہ سکتی تھی مولوی حیات اللہ صاحب کو بلوا بھیجا۔ مولوی صاحب آئے اور ملازم سے خاردار بیری کی جھاڑیاں منگوا کر زمین پر بچھا دیں اور ننھے سعید احمد کو اوپر لٹا کر دھمکی دی کہ آگ لگا دیں گے۔ اتنی سخت سزا اور ماں نے اف تک نہ کی۔ آپ بتاتے تھے کہ عرصہ تک پیٹھ پر

کانٹوں کے نشان رہے۔

سات سال کی عمر میں آپ والد اور چچا کے ہمراہ قادیان گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اور کئی ماہ آپ کی صحبت میں رہے۔ والد نے سمجھایا کہ ''دیکھو ہم یہاں حضرت صاحب کی صحبت سے فیض پانے کے لئے آئے ہیں کھیل کود میں وقت ضائع نہ کرنا'' باپ کی نصیحت اس سعید روح میں اتر گئی اور جب ہم عمر لڑکے کھیلنے کے لئے بلاتے تو فوراً کہہ دیتے ''ہم یہاں کھیلنے کے لئے نہیں آئے۔ حضرت صاحب کے لئے آئے ہیں'' حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنے سے پہلے ہی مسجد مبارک کی کھڑکی کے پاس بیٹھ جاتے۔ نگاہیں کھڑکی پر ہوتیں۔ حضرت صاحب کی جھلک نظر آتے ہی اُٹھ کھڑے ہوتے۔ آپ مسجد میں قدم رکھتے تو آگے بڑھ کر آپ کے لباس کا کوئی حصہ تھام لیتے اور محراب تک ساتھ ساتھ چلتے اور قریب بیٹھ جاتے۔ اکثر پاؤں دبانے لگتے ہر بیعت کرنے والے کے ساتھ اپنا چھوٹا سا ہاتھ بڑھا کر بیعت میں شامل ہو جاتے۔ ایک دن والد صاحب نے ایک روپیہ ہاتھ میں تھمایا کہ حضرت صاحب کے ہاتھ میں دینا۔ حضرت صاحب متوجہ ہوئے اور پوچھا ''یہ بچہ کون ہے'' آپ کے والد نے فرمایا ''حضور کا غلام زادہ ہے، آپ نے ہی سعید احمد نام رکھا ہے۔ اس کے لئے دعا فرمائیں'' آپ ''غلام زادہ'' کا مطلب سمجھ نہ پائے بعد میں والد صاحب نے ایسا سمجھایا کہ تمام زندگی کے لئے ذہن نشین ہو گیا۔ بس انہی ملاقاتوں میں مسیح وقت کی نگاہ سحر انگیز نے ایسا محور کیا کہ تا حیات اس غلامی کو باعث فخر جانا۔ اس برس آپ کا قیام قادیان میں خاصا لمبا رہا۔ جب بھی حکیم محمد یحییٰ صاحب نے زبانی یا تحریری طور پر واپسی کی رخصت چاہی اور کوئی عذر پیش کیا۔ حضرت صاحب نے مزید رکنے کو کہا اور آپ نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس طرح آپ اس روح پرور ماحول اور فیوض کے آب رواں سے جو حضرت صاحب کی ذات سے جاری تھا خوب سیراب ہوئے۔

چوتھی جماعت میں ہوئے تو آپ کو مانسہرہ کے سکول میں داخل کر دیا گیا مگر بورڈنگ کی فضا کو آپ کے لئے نامناسب تصور کرتے ہوئے ایک ہندو دوست سائیں داس نامی کے گھر رہائش کا انتظام کیا۔ انہوں نے آپ کی رہائش کے لئے لکڑی کے تختوں سے بنا ہوا ایک کمرہ نما گودام دیا جو عام طور پر دیہاتوں میں غلہ رکھنے کے لئے کام آتا ہے اور اسے ''تونڑی'' یا ''کٹھالی'' کہتے ہیں۔ اس میں دن کے وقت بھی دیا جلانا پڑتا۔ سکول سے آ کر آپ اس کی کھڑکی سے اندر چلے جاتے اور پڑھائی میں مصروف ہو جاتے۔ گھر کی کوئی خاتون کھڑکی سے ان کے برتنوں میں کھانا ڈال دیتی اسی پر صبر و شکر کر لیتے۔ کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں آیا کہ اپنے گھر کے کشادہ صحنوں اور کھلے کھلیانوں کی فضا میرے نصیب میں کیوں نہیں۔

گاؤں میں گھر سے باہر ہی زرعی اراضی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مکئی کی فصل کٹ چکی تھی، کھیتوں میں سوکھے ڈنٹھل (ٹانڈے) کھڑے ہوتے۔ اچانک گر پڑے اور سوکھا ڈنٹھل نازک پنڈلی کو چیر کر اندر ٹوٹ گیا۔ صبر کی انتہا کہ اسی طرح گھر آئے۔ ماں نے ''پلٹس'' بنا کر باندھی۔ والد سے بھی جو کچھ بن پڑا کیا مگر پورا ایک ماہ بستر پر کاٹنا پڑا۔ تب جا کر وہ زخم بھرا۔ یہ ماہ بہت صبر آزما تھا۔ اس کی تکلیف آپ کبھی نہیں بھولے۔ فرمایا کرتے تھے ''جب میں اپنے اوپر خدا کے انعامات کو یاد کرنے لگتا ہوں تو اس وقت کی اپنی عاجزی اور بے بسی یاد آتی ہے اور خدا کے آگے سر جھک جاتا ہے کہ خدایا تیرے کتنے انعامات مجھ عاجز پر ہیں کہ آج بڑے بڑے آپریشن کرتا ہوں اور دوسروں کو آرام پہنچاتا ہوں یا وہ بیچارگی تھی کہ اپنے زخم کا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس زخم کا ہلکا نشان ہمیشہ پنڈلی پر رہا۔

اپنے والد کی نسبت حضرت امیر اپنے چچا محترم جنہیں وہ ''کاکا جی'' کہتے تھے، سے زیادہ مانوس تھے اور چچا محترم کی شخصیت نے آپ کو بہت متاثر کیا۔ آپ کی تربیت میں ان کا بہت ہاتھ تھا۔ ایک مرتبہ آپ کے چچا محترم مانسہرہ سے گاؤں آ رہے تھے اور روزے سے تھے۔ راستے میں افطار کا وقت ہو گیا۔ آپ نے ایک پودے سے کھٹے پتے توڑ کر منہ میں ڈال لئے۔ گھر آ کر پوچھنے پر یہ بتایا اور بعد میں پوٹلی سے مٹھائی نکال کر بھتیجے کو دی۔ بھائی نے پوچھا کہ ''مٹھائی تھی تو پتوں سے کیوں روزہ افطار کیا'' تو فرمانے لگے ''یہ تو سعید احمد کی امانت تھی سائیں داس بزاز نے اس کے لئے بھیجی تھی'' حالانکہ یہ تو یونہی کہہ دیا جاتا ہے کہ ''بچے کے لئے مٹھائی ہے'' اس بات کا حضرت امیر پر بہت گہرا اثر ہوا۔

ایک مرتبہ حضرت امیر موسم گرما کی تعطیلات میں گھر میں بیٹھے اسکول کا کام کر رہے تھے کہ چچا محترم تشریف لائے۔ دیکھا کہ بھتیجے کے پاس مٹھی بھر نب ہیں۔

جو کسی صورت انہوں نے خریدے نہیں۔ پوچھنے پر بتایا کہ فلاں ہم جماعت نے سب کو دیئے ہیں، مزید استفسار پر پتہ چلا کہ اس نے کتب فروش کی دکان سے پورا ڈبہ اٹھایا تھا۔ چچا نے بھتیجے کا ہاتھ تھاما اور تپتی دوپہر میں چھ میل دور داتا گاؤں کی طرف لے کر چل پڑے اور سمجھایا کہ چوری کے نبوں سے جو بھی لکھو گے اس کا حرام تمہاری کمائی میں شامل ہوتا رہے گا۔ نہایت شفیق اور چاہنے والا چچا کی تربیت رائیگاں نہ گئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دیانت اور تقویٰ کی باریک راہوں کی پہچان کروا گئی۔

قادیان کی ایک جھلک جو حضرت صاحب کے زمانے میں دیکھی تھی۔ تبھی سے اس ماحول کی جاذبیت آپ کو اپنی طرف کھینچتی رہتی تھی۔ ایک اور موقعہ حضرت مولانا نورالدین صاحب کے دور میں جلسہ سالانہ پر جانا نصیب ہوا تو وہیں بس رہنے کی تمنا دل میں پیدا ہوئی۔ یوں بھی مانسہرہ کے سکول کی فضا اور شہر کے بازاری ماحول سے بیزار تھے۔ احمدی ہونے کی وجہ سے بھی ستم توڑے جاتے تھے۔ مگر پھر بھی اپنی کتابوں پر اپنے نام کے ساتھ احمدی ضرور لکھتے تھے۔ مگر اس ماحول کی آلودگی سے فرار چاہتے تھے۔ والد صاحب سے عرض کی مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ گاؤں سے فاصلہ بہت تھا۔ والدہ کے لئے بھی جدائی صبر آزما ہوتی مگر آپ نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اب اگر پڑھنا ہوگا تو قادیان میں ہی پڑھیں گے۔ والد محترم ماہ رمضان گذارنے قادیان گئے تو اگلے ہی دن گھر میں بغیر اطلاع دیئے کتابوں کا بستہ اٹھا کر آپ بھی عازم سفر ہوئے۔ جیب میں چند روپے تھے جس سے بٹالہ تک کا ٹکٹ لے لیا اور ایک وقت کا کھانا کھایا۔ اس کے بعد جیب خالی تھی۔ ایک سکھ ہم سفر تھا اس کے کپڑے چھینٹے پڑنے سے خراب ہو گئے ایک سٹیشن پر اس نے آپ کو ایک اکنی دی کہ صابن لا دو اور جو ایک پیسہ بچا آپ کو ہی دے دیا۔ صبح سویرے بٹالہ کے سٹیشن پر اترے اور قادیان کی طرف چل پڑے۔ ایک پیسے کے مٹھی بھر میٹھے چنے لے کر جیب میں ڈال لئے اور دانہ دانہ کر کے کھاتے رہے۔ اس طرح جب بارہ میل کی پیدل مسافت طے کر کے قادیان پہنچے تو سفر اور بھوک سے نڈھال تھے۔ بازار سے گذر رہے تھے کہ ایک دکاندار نے پہچان لیا کہ یہ تو مولوی صاحب کا بیٹا ہے۔ وہ ایک دن پہلے آئے ہیں اور یہ آج؟ بہر حال چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر پاس بلایا۔ گرم گرم دودھ جلیبیاں کھلائیں اور حضرت صاحب کے مہمان خانے تک لے گیا۔ والد صاحب سخت ناراض تھے۔ مہینہ بھر بات نہ کی مگر خورد و نوش کا خیال رکھتے رہے۔ ادھر آپ جس ارادے سے آئے تھے اس کی تکمیل میں لگ گئے۔ سکول کی تو چھٹیاں تھیں۔ مگر ایک نومسلم طالب علم جس کا نام عبدالرحمٰن تھا وہ وہیں ہوسٹل میں رہتا تھا۔ اس سے پوچھ پاچھ اپنی پڑھائی شروع کر دی اور اتنا پڑھ لیا کہ ہم جماعتوں کے ساتھ چل سکیں۔ والد صاحب نے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ کو بلایا اور نرمی سے سمجھا کہ ''گھر سے بہت دور ہو جاؤ گے، تمہاری والدہ اتنی لمبی جدائی کیسے برداشت کرے گی، بیمار پڑ جائے گی۔'' مگر آپ نے قادیان کے صاف ستھرے ماحول اور فضا کو چھوڑ کر دوبارہ مانسہرہ جانے سے صاف انکار کر دیا۔ والد صاحب نے بورڈنگ میں داخل کروا دیا اور کہا کہ گھر جا کر ضروری سامان بھجوا دیں گے۔ حضرت مولانا صدر الدین صاحب اس وقت سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے جو نہایت شفیق اور بہت اعلیٰ منتظم تھے۔ سکول کا تعلیمی معیار بہت اعلیٰ تھا۔ جلد ہی آپ اس ماحول میں گھل مل گئے اور اچھے طالب علموں میں شمار ہونے لگا۔ بعد میں جب ایبٹ آباد کے سکول میں داخل ہوئے تو ایک انگریز افسر نے معائینے کے دوران آپ سے انگریزی میں جو سوال کئے ان کے جواب سن کر ہیڈ ماسٹر سے پوچھا کہ اس طالب علم نے انگریزی کا اتنا اچھا تلفظ کہاں سے سیکھا ہے۔ حضرت امیر فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو ان کے تعلیم کے اس دور کا انعام ہے جو انہوں نے قادیان میں گذارا۔

موسم گرما کی تعطیلات میں گھر آئے تو شخصیت میں ایک وقار کی جھلک سب نے محسوس کی۔ نمازوں کی امامت تو پہلے بھی کبھی کبھار کرتے رہے تھے اور خطابت تو اس چھوٹی عمر میں بھی کی تھی۔ گاؤں کی مسجد میں کے چھوٹے چھوٹے جلسوں میں درثمین کی نظمیں ترنم سے پڑھتے تھے۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ کی طویل زندگی بھی خدا تعالیٰ کے فضل اور بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ تھی۔ آپ ایام جوانی میں ایک مہلک بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ ہر چند کہ علاج اور دوا میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر افاقے کی رفتار سست رہی۔ آپ کے والد صاحب نے جماعت کے بزرگوں سے صحت یابی کے لئے دعا کی استدعا کی۔ ہر احمدی نے رو رو

کراور گڑگڑا کر دعا کی۔ حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں سجدہ میں دعا کر رہا تھا کہ بے ساختہ میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے ''اللہ میرے بیٹے سعید کو شفا بخش''۔

اسی طرح آپ کے والد صاحب کے دوست ہزارہ کے مولوی عبدالرحمٰن مرحوم آپ کی صحت کے لئے دعا میں مصروف تھے تو ان کو آواز آئی۔ ''سعید بل ہو گیا اے'' یعنی سعید صحت یاب ہو گیا ہے۔ سب سے بڑھ کر آپ کے والد صاحب نے دعا کی کہ ''اے اللہ میری بقیہ زندگی بھی سعید کو دے دے'' اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ جب آپ مکمل صحب یاب ہو گئے تو آپ نے پھر اپنی زندگی کے لئے دعا فرمائی۔ خدا تعالیٰ نے ان کی دوسری دعا بھی قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صالح بزرگ ہستیوں کو طویل عمر سے نوازا۔

عملی زندگی میں آپ نے ڈاکٹری کا پیشہ اپنایا اور مریضوں کے مسیحا ہو گئے۔ بعد میں آپ کو ڈاڈر سینی ٹوریم کا بانی انچارج لگایا گیا۔ اس زمانہ میں ٹی بی ایک انتہائی مہلک بیماری ہوتی تھی۔ اس لئے مریضوں کو علاج کے لئے الگ تھلگ صحت افزا مقامات پر بنے ہسپتالوں میں رکھا جاتا تھا۔ جب آپ نے چارج سنبھالا تو وہاں ہو کا عالم تھا۔ نہایت ہی ویرانی تھی۔ لیکن پھر آپ کے جذبہ ایثار اور خدمت خلق کی سچی لگن نے اس جنگل کو آباد کر دیا۔ نئے نئے وارڈوں کا اضافہ ہوا۔ گورنمنٹ نے مزید ڈاکٹروں اور نرسوں کی کھیپ بھیج دی لیکن اس جسمانی مسیحا میں کوئی تو ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ وارڈوں کے وارڈ بنے اور بھر گئے۔ حتیٰ کہ خیمے لگا کر مریضوں کو وہاں رکھا جاتا۔ کیونکہ اس عجیب شخص کی زبان پر نہ کا تو لفظ ہی نہ تھا کہ ایک بیمار آئے اور یہ اس سے کہے کہ بھئی جگہ نہیں۔ ہسپتال کے آؤٹ ڈور کے علاوہ ہسپتال سے ان کی رہائش گاہ کے درمیان چیڑ کے درخت آؤٹ ڈور ہوا کرتے تھے۔ جب آپ ڈیوٹی دے کر واپس جاتے تو راستہ میں ان بے چارے مریضوں کو دیکھتے ہوئے جاتے۔ ٹی بی کے مریضوں کو کئی کئی مہینے یا سال علاج کے لئے سینی ٹوریم میں رہنا پڑتا۔ گھر سے زندگی سے مایوس، ہمت ہارے ہوئے زرد رو مریض سینی ٹوریم پہنچتے تو یہ مسیحا ان میں پھر سے ایک نئی امنگ پیدا کر دیتا کہ زندگی پھر سے سہانی نظر آنے لگتی۔ بعض مریضوں نے اپنے حالات و واقعات قلم کی نذر کئے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ کوئی فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی خدمت کے لئے انسان بنا کر ڈاڈر بھیجا ہے۔

انہی خدمات کے صلہ میں حکومت برطانیہ نے آپ کو خان بہادر کے خطاب سے نوازا۔ پھر حکومت پاکستان نے ستارہ خدمت دیا۔ اس کے علاوہ دو دفعہ آپ کو ریٹائرمنٹ کے بعد ملازمت میں توسیع دی گئی۔ جوانی کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل خدا نے آپ کو بہت عزت سے نوازا تھا۔ وزراء وارڈوں کے افتتاح کرنے کے لئے آتے تو بجائے اس کے کہ خود فیتہ کاٹیں، وہ آپ سے فیتہ کٹواتے۔

سانحہ ۱۹۷۴ء کے بعد جماعت کے بزرگوں کے بار بار اصرار پر آپ نے لاہور میں مرکزی انجمن میں کام شروع کیا اور آپ کو انجمن میں سینئر نائب صدر اور انچارج بلا دغیر چنا گیا۔ اس طرح آپ دارالسلام میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ نے اس پیرانہ سالی میں دوسرے ممالک کے کئی دورے کئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دوروں کو بہت برکت بخشی۔ باہر کے ممالک میں احمدیہ انجمن لاہور کے نام سے جماعتوں کو رجسٹر کروایا۔ جماعتوں کے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو ختم کر کے نئی جہت دی۔

نومبر ۱۹۸۲ء میں حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب کی وفات کے بعد جماعت نے آپ کو باالاتفاق رائے اپنا امیر چنا۔ اس منصب پر آپ اپنی وفات تک فائز رہے۔

جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی یارو
یاد آئیں گے تمہیں میرے سخن میرے بعد

ان کی زندگی کا ہر پہلو آفتاب کی مانند روشن اور تابناک تھا۔ بہرحال ہمیں تو اب اس بیش قیمت چراغ کی لو کو روشن رکھنا ہے۔ ان کی شخصیت کیا تھی؟ وہ صرف اپنے خون کے رشتہ داروں کے لئے ہی شفیق ہستی نہ تھے بلکہ پوری جماعت کے مشفق تھے۔ ہر چھوٹا بڑا سمجھتا تھا کہ وہ اس سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ کوئی دکھ، تکلیف یا پریشانی ہو تو فوراً ''جان جی'' کو دعا کے لئے عرض کیا اور اپنا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

یتیموں اور غریبوں کی مدد کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے تھے۔ قرآن پاک میں ہے کہ ''مومن وہ ہیں جو غریبوں اور یتیموں کی دادرسی کرتے ہیں، ان کی خبر گیری کرتے ہیں، ان پر احسان نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔''

تو حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اس کی عملی تفسیر تھے۔ آپ کے ہاں نہ صرف کئی یتیم بچے اور بچیوں نے پرورش پائی بلکہ ان کو عملی زندگی میں باوقار مقام تک پہنچانے میں بھی کسر نہ چھوڑی۔ یتیم بچیوں کی شادی کروا کر احسن طریقے سے رخصت کرتے اور بعد میں بھی اپنی اولاد کی طرح خبر گیری رکھتے۔

حدیث شریف میں ہے کہ دو آدمیوں کی زندگی قابل رشک ہے۔ ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ مال دے، پھر وہ اس مال کو راہ حق میں خرچ کرے اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ علم دے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کی تعلیم دے۔ کس قدر قابل رشک ہے وہ زندگی جسے ان دونوں باتوں کی توفیق ملی۔ یعنی وہ اپنے مال کو بھی راہ حق میں خرچ کرے اور اپنے علم سے بھی دنیا کو فائدہ پہنچائے۔ ایسی ہی زندگی حضرت ڈاکٹر صاحب کو نصیب ہوئی۔

اب دور جا چکا ہے وہ شاہ گدا نما
اور پھر سے اپنے دیس کی راہیں ادا ہیں

آپ کے دور امارت میں قرآن کریم کے تراجم دنیا کی کئی زبانوں میں ہوئے جن سے ہم سب آگاہ ہیں۔ اس کے علاوہ سلسلہ کی کتب کے بھی تراجم ہوئے اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ''میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا'' آپ کے دور میں اس سلسلہ میں کافی پیش رفت ہوئی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ''سورج مغرب سے طلوع ہوگا'' کی عملی سعادت آپ کے حصہ میں آئی۔ آپ کے دور میں مختلف مغربی ممالک کو ان کی زبان میں قرآن پاک کے تراجم فراہم کئے گئے۔

حضرت اقدس نے مغرب میں تبلیغ اسلام اور مغرب سے سورج طلوع ہونے یعنی مغربی اقوام کے اسلام قبول کرنے کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا ''ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ متبعین کے ذریعے سے بعض خدمات کا پورا ہونا ایسا ہی ہے گویا ہم نے اپنے ہاتھ سے وہ خدمات پوری کیں۔ ہمارا ہی روپ لے لیں اور خدا تعالیٰ کا فضل انہیں وہ مرتبہ ظلی طور پر بخش دیوے جو ہمیں بخشا کیونکہ جو ہماری راہ پر چلتا ہے وہ ہم سے جدا نہیں اور جو ہمارے مقاصد کو ہم میں ہو کر پورا کرتا ہے وہ درحقیقت ہمارے وجود میں داخل ہے''۔

افسوس وہ شخص دنیا سے اُٹھ گیا جس کا وجود ہمارے لئے باعث افتخار تھا اور شاید تحریک احمدیت کا آخری سپوت تھا جس نے حضرت مسیح موعود کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ان کے رفقاء کے چشم دید گواہ تھے۔ حضرت امیر کی وفات نہ صرف ان کے خاندان بلکہ پوری جماعت کے لئے سانحہ عظیم ہے جس پر جتنا دکھ کا اظہار کریں کم ہے۔ ہمارا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ اپنے محسنوں اور پیاروں کا ہمیشہ کے لئے چلا جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا۔ ہمارے پیارے نبی ختم الرسل صلعم اپنے بیٹے کی وفات پر روئے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا سوچ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ روئے تھے۔ حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کی جدائی میں اتنا روئے کہ آنکھوں کا نور چلا گیا۔ حضرت مولانا نور الدین صاحب نے اپنے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید میں اپنے بیٹے کی میت کو چوما اور روئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی موت پر فرمایا:

جگر کا ٹکڑا مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خو تھا
وہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر

حضرت ڈاکٹر صاحب بھی جو غریب طبع، باحیا، نیک اندرون، پرہیز گار، پاک شکل اور پاک خو تھے ہمیں غم زدہ بنا کر ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ ہمیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں آنکھوں کے اشکبار اور دل کے غمزدہ ہونے کے باوجود یہی کہنا ہے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی نسخہ کیمیا ہے جو زخمی دل کو سکون اور آرام بخشتا ہے۔ حضرت اقدس کی تقلید کرتے ہوئے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ جیسا آپ فرماتے ہیں:

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پر اے دل تو جاں فدا کر

کیا کیا جائے یہی نظام الٰہی ہے اس کے سامنے ہم سب مجبور اور بے بس ہیں۔ ہم اپنے محسن عظیم، انسانیت اور شرافت کے پیکر کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آپ کی روح پر فتوح پر بے حساب رحمتیں نازل فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆☆

سنسکرت سکالر

حضرت مولینا عبدالحق ودیارتھی مرحوم و مغفور

از قلم ڈاکٹر اللہ بخش مرحوم و مغفور

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کی ابتداء میں برصغیر ہندو پاک مختلف مذاہب کا دنگل بنا ہوا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ابتدائی زندگی بھی مناظروں اور مباحثوں میں صرف ہوئی اور اس میں کیا شبہ ہے کہ جیسا کہ غیر احمدی حضرات نے بھی اسے برملا تسلیم کیا ہے، حضرت مسیح موعودؑ دین اسلام کے ایک فتح نصیب جرنیل تھے۔ جن کے مباحث اور تصانیف کے سامنے جملہ مذاہب کی زبانیں گنگ اور قلمیں ٹوٹ چکی تھیں ایسے ''سلطان القلم'' کے ایک عظیم الشان شاگرد مولانا عبدالحق ودیارتھی نکلے جو میدان مناظرہ میں ایک فتح نصیب پہلوان ثابت ہوئے۔ واقعات سے ثابت ہے کہ جس کسی میدان مناظرہ میں مولانا عبدالحق ودیارتھی کی موجودگی ہوتی وہاں یا تو مقابل مناظرہ پنڈت یا پادری کسی رقیق عذر کے تحت کنی کترا جاتے یا پھر عبرتناک شکست کھاتے۔

مولانا عبدالحق مرحوم نے سنسکرت زبان کی تعلیم کسی مدرسہ یا ادارہ میں نہ پائی تھی بلکہ محض اپنے فطرتی ملکہ زباندانی کے تحت اپنی ذاتی کاوش، وکوشش سے اس زبان پر اعلےٰ وکامل عبور حاصل کرلیا کہ بیشتر پنڈت صاحبان جنہوں نے عمر بھر اس زبان کے حصول میں اپنی سعی کو لگایا اپنے آپ کو مقابلہ کرنے کے قابل نہ پاتے تھے۔

برصغیر پاک و ہند میں مولانا عبدالحق واحد مسلمان تھے جن کے بارہ میں سنسکرت کے عالم و فاضل پنڈتوں کو اقرار تھا کہ وہ ان کی مذہبی زبان اور ان کے ویدوں کے الہامات پر کماحقہ عبور حاصل کر چکے تھے۔

لاکھوں کے اجتماع میں بلا تکلف ویدوں کے ماہر پنڈتوں کے روبرو وید کے منتر پڑھ کر ان کا ترجمہ وتفسیر کرنا ایک ایسا حیرت انگیز منظر تھا کہ بڑے بڑے پنڈت حیرت میں ڈوب جاتے تھے اور مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ پاتے۔

پنڈت رام چندر ایک مشہور عالم و مناظر تھے جو قرآن کریم بھی پڑھنا اور مطالب بیان کرنا جانتے تھے۔ مگر عبدالحق مرحوم کے علم و فضل اور سنسکرت میں ویدوں کے مفہوم پر عبور سے اس قدر مرعوب تھے کہ جب کہیں یہ سن لیتے کہ مولانا عبدالحق مرحوم میدان مناظرہ میں آگئے ہیں تو کسی عذر سے پہلو تہی کر جاتے۔ انگریزی اور سنسکرت پر عبور کے علاوہ مولانا عبدالحق عبرانی اور سریانی زبانوں میں بھی مہارت رکھتے تھے اور ان زبانوں میں مذہبی علوم سے واقف تھے۔ اس بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ان چند انسانوں میں سے تھے جنہیں قدرت نے زباندانی کا خاص ملکہ عطا کیا ہوتا ہے وہ ہفت یا ہشت زبان کہلاتے تھے۔

بیسویں صدی کی تیسری دہائی (۱۹۲۰ء تا ۱۹۳۰ء) کا ذکر ہے کہ آریہ سماج میں ایک شخص جس نے اپنا نام ''رام مورتی'' رکھا۔ جسمانی توانائی کے حیرت انگیز کرتب دکھلانے کا مدعی کھڑا ہوا تو اس کے مقابل اہل اسلام میں سے ایک ''اسلام مورتی'' کھڑا ہو گیا جس کا نام نامی ڈاکٹر عصمت اللہ مرحوم تھا اور اس نے ''رام مورتی'' کا مقابلہ کر کے اس رنگ میں اہل اسلام کی برتری کا حق ادا کیا تو علمی میدان میں ودیارتھی صاحب دنگل مناظرہ کے ایسے کامیاب اور منفرد انسان تھے کہ شدھی اور سنگھٹن کے زوروں کے ایام میں جب مولانا عبدالحق صاحب سے جملہ پنڈت شکست کھا چکے تھے اور ان کے نام سے لرزتے تھے، جمعیۃ العلماء ہند کے صدر مولینا کفایت اللہ صاحب نے باوجود احمدیت کے مخالفانہ تعصب کے حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور امیر جماعت احمدیہ لاہور سے درخواست کی کہ وہ مولانا ودیارتھی کی خدمات انہیں دے دیں تو امیر جماعت احمدیہ لاہور نے کیا ہی برجستہ و موزوں جواب دیا کہ ہمارے پاس بھی صرف ایک مولوی عبدالحق ہیں۔ اگر دو مولوی عبدالحق ہمارے پاس ہوتے تو ایک آپ کو دے دیتے۔

یہ عجیب تضاد نظر آئے گا کہ حضرت اقدس مسیح موعود نے تو دیگر مناظروں اور مباحثوں کی طرح اس غرض کے ماتحت ڈالی تھی تاکہ حق جو اور منصف مزاج دین حق اور باطل عقائد میں فرق معلوم کرلیں۔ لیکن شدھی کی تحریک کی غرض چونکہ

حقائق حق نہ تھی بلکہ اصل مقصد سیاسی برتری کا حصول تھا تا کہ کسی طرح جاہل و بے خبر مسلمانوں کو اپنی حکومت و طاقت کے رعب اور اکثریت کے غلبہ کے ڈر سے ورغلا کر ہندو بنالیا جائے۔

گویا احمدیہ تحریک نے جہاں اصل نصب العین، صدق و راستی کی قبولیت اور اس کے لئے دنیاوی مفاد کی قربانی کو ضروری قرار دیا تھا ہندوؤں نے دین کی بجائے سیاسی غلبہ کے خوف سے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہا تھا۔ ایسے نازک وقتوں میں دین اسلام کا بول بالا اس برصغیر میں اگر کسی نے تن تنہا ثابت کر کے دکھلایا تو وہ مسلمہ و متفقہ طور پر ودیارتھی مرحوم تھے۔

حضرت مولانا عبدالحق کی زندگی کے واقعات سے یہ ثابت ہے کہ خدا خود آپ کی حفاظت کرتا تھا۔ چنانچہ ابتداء زندگی میں جب ۱۹۱۸ء میں ایک مہلک قسم کے انفلوانزا کی وباء اس ملک بلکہ کل عالم میں چل چکی تھی تو اس وقت مولانا صاحب کو بھی اس وباء کا حملہ ہوا۔ آپ نے کئی بار خود اس امر کا ذکر کیا کہ ہر چند مختلف ادویات استعمال کیں۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، والا معاملہ تھا۔ حتیٰ کہ جیسا کہ اس وقت ہر طرف موتا موتی کا عالم بپا تھا، مولانا صاحب کو یہ بھی یقین ہو گیا کہ اب آپ جانبر نہ ہوسکیں گے تو پھر آپ نے ایسے نازک جان کنی کے وقتوں میں دعا کی کہ الہیٰ میں نے تو یہ زندگی تیرے دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی ہوئی ہے۔ اگر تیرے حضور میں اسے شرف قبولیت حاصل ہے اور تو جانتا ہے کہ میری آئندہ زندگی سے خدمت دین کا حصول ہوگا تو تو اپنی رحمت و فضل سے مجھے شفا دے۔ مولانا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ایسی حالت کشف میں آپ کو چند دیسی ادویات بتلائی گئیں جن میں سے ایک خوب کلاں بھی تھی چنانچہ وہ ادویات جب صبح اٹھ کر آپ نے استعمال کرنا شروع کیں تو ان سے انفلوانزا کا نام و نشان جاتا رہا اور آپ بالکل صحت یاب ہو گئے اور پھر آپ نے دونوں میدانوں یعنی میدان مناظرہ اور مباحثہ اور میدان تصنیف و ریسرچ میں اپنے ایسے کمال جوہر دکھائے جو مسلمہ طور پر بے نظیر ہیں۔

پھر ایسا ہی اپنی زندگی کی آخری منزل میں جب آپ امریکہ میں اپنی کتاب میثاق النبیین کی تکمیل اور اس کے انگریزی ترجمہ کی غرض سے گئے تھے آپ کو ایسی جان لیوا بیماری لاحق ہوئی کہ امریکن ہسپتال میں داخلہ کے باوجود مرض کی تشخیص بھی نہ ہو پاتی تھی تو پھر آپ نے اپنے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور اس دعا کی قبولیت کا یہ کرشمہ ظاہر ہوا کہ ایک امریکن نرس کو القا ہوا کہ ہسپتال میں کوئی شخص عبدالحق نامی داخل ہے اور اسکے علاج کے لئے فلاں تیل مالش کارگر ہوگی، تو یہ امریکن نرس اس القاء الہیٰ کے مطابق تلاش کرتی ہوئی آپ کے پاس آئی اور وہ آسمانی دوائی استعمال کی گئی جس کی نسبت اسے اشارہ ہوا تھا، تو مولانا صاحب کو اس سے آرام آ گیا۔

اس موقعہ پر بھی آپ کے دل میں مزید زندہ رہنے کا خیال اس لئے پیدا ہوا کہ آپ کی کتاب MUHAMMAD IN THE WORLD SCRIPTURES ابھی زیر تکمیل تھی۔ آپ کی زندگی کے یہ سچے و صحیح واقعات ثابت کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ اپنے بندوں کی مشکل حالات سے نجات کے سامان خود پیدا کرتا ہے۔ نیز یہ بھی کہ مولانا عبدالحق ودیارتھی کو خدا تعالےٰ نے خاص طور پر اپنے دین کی خدمت کے لئے چن لیا ہوا تھا۔ اور جب تک آپ کی عظیم ریسرچ کا کام تکمیل پذیر نہیں ہوا تھا خدا تعالیٰ نے آپ کو زندگی اور صحت عطا فرمائی موت کے ایام سے قبل بھی آپ کو القاء ہوا تھا کہ اب حج کے لئے تیاری کرو۔ چنانچہ آپ کی وفات حج کے روز ہوئی۔ آپ نے اپنے پیچھے دولڑکے اور لڑکیاں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔

تخلیق انسان سے غرض ربی یہ ہے کہ اس کی فطرت میں جو اعلیٰ جوہر ودیعت کے گئے ہیں، وہ تمام منصہ شہود پر تکمیل پا جائیں۔ فطرت انسانیہ میں قانون توریت کے مطابق مختلف افراد میں مختلف کمالات مرکوز کئے گئے ہیں ان کی تکمیل کے لئے سازگار ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ مولانا عبدالحق ودیارتھی مرحوم و مغفور میں تین جوہر مرکوز تھے زباندانی کا جوہر مختلف زبانوں کے حصول کی استعداد اور دوئم غور و فکر اور تحقیق و تفتیش کا جوہر اور سوئم استدلال و منطق کا جوہر۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا لقب یہ پڑ گیا تھا ''ودیارتھی''۔ جس کے معنی ہیں علوم سنسکرت اور وید کا عالم و فاضل۔ چنانچہ آپ کو اکثر بجائے عبدالحق کے ودیارتھی صاحب کہا جاتا تھا۔

زباندانی کے علاوہ آپ میں فکر و غور اور تحقیق و ریسرچ کرنے کا مادہ بھی مرکوز تھا، چنانچہ یہی وجہ تھی کہ آپ نے پرانی کتب مقدسہ کا گہرا مطالعہ فرما کر یہ نادر ریسرچ کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا کہ جملہ مذاہب کی کتب مقدسہ میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک بعثت کے بارہ میں نہ صرف واضح

پیشگوئیاں کی گئی ہیں بلکہ ان کتب میں وہ علامات اور ظہور پیغمبر آخر زمانؐ کی تمام نشانیاں بھی بتلا دی گئی ہیں جن کا از روئے واقعات آنحضورؐ کی سیرت مبارکہ سے کلی تطابق ہوتا ہے۔ پھر مولانا عبدالحق مرحوم نے محض اپنی طرف سے یہ بیانات پیش نہیں کیئے بلکہ ان کتب مقدسہ سنسکرت، عبرانی، سریانی کی عبارتیں پیش کی ہیں اور ان کی فوٹو کاپیاں اپنی بےنظیر تصنیف ''میثاق النبیین' میں شامل کر دی ہیں۔ یہ محنت طلب ومشقت آمیز کام ہے جس کے لئے آپ نے برطانیہ اور امریکہ کی جملہ متعلقہ لائبریریوں سے استفادہ کیا۔

قرآن کریم نے جملہ انبیاء عالم کی تصدیق کی نیز یہ بھی اعلان فرمایا کہ جملہ انبیاء عالم نے آنحضور صلعم کی بعثت کی خوشخبریاں دی تھیں اور اپنی امتوں سے آنحضورؐ پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا لیکن یہ سب مسلمان امور مسلمانوں کے لئے ایمان وصدق کا درجہ رکھتے تھے۔ اگر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کہاں ہیں وہ پیشگوئیاں جو مختلف مذاہب کے مقدس بانیوں نے آپ صلعم کے بارہ میں کہیں، کون سے الفاظ ہیں جن میں وہ کی گئیں؟ کیا علامات ونشانیاں نبی آخر زمان صلعم کی پہلوں نے بتلائیں اور وہ تمام کیسے اور کیونکر آنحضور صلعم کی ذات مقدس ومطہر زندگی میں پوری ہوئی؟ تو اس بارہ میں ایک مسلمان بجز اس کے کہہ سکتا تھا کہ ہم ان تمام پر ایمان لاتے ہیں لیکن ایمان لانا دگر بات ہے اور ایمانی امور کو حقائق کی روشنی میں ثابت کر دکھلانا ایک دیگر چیز ہے۔ علی وجہ البصیرت ایمان اور ایمانی وغیبی امور کا واقعات سے تطابق کر دکھلانا بالکل جدا بات ہے۔ پس میثاق النبین کی آیت صادقہ سے تطابق کر کے دکھلانا یہ سعادت کبریٰ جس انسان کو حاصل ہوئی وہ مولینا عبدالحق ودیارتھی مرحوم ومغفور ہی تھے۔ صداقت قرآن کریم اور صداقت نبوت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہ زبان وتعلیم جملہ انبیاء علیہم السلام یہ ایک ایسی اعلیٰ بین ومسکت دلیل مولینا عبدالحق نے مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دی ہے۔

زباندانی اور تحقیق وتدقیق کے عالی جوہروں کے ساتھ مولینا عبدالحق میں قوت استدلال اور حاضر جوابی کے جواہر بھی تھے اور ان کے اظہار وکمال ترقی کا موقع مولینا صاحب کو اس وقت ملا جب آپ کو جوانی میں آریہ اور عیسائی مناظرین سے مقابلہ پیش آیا۔ یہ کہنا نہایت صحیح اور قطعاً مبالغہ آرائی سے بالاتر ہے کہ اہل اسلام کی طرف سے میدان مناظرہ میں مولینا عبدالحق ودیارتھی ایسا عظیم پہلوان میسر نہ آیا اور نہ ہی شاید آئندہ میسر آئے۔

آپ نے اپنے پیچھے دولڑکے اور دولڑکیاں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔

مگر کتب کے مطالعہ سے اس شعبہ علم میں بھی قرآن حکیم کے نکات و معارف بیان کرنے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ نے متعدد بار شہد کی مکھی اور رنگوں کے موجودہ سائنسی فلسفہ کو قرآن کریم کی آیات کے مطابق ثابت کر کے دکھلایا۔ اگر آپ کی تالیفات کو پڑھنا انہیں شائع کرنا بھی موجب ایمان ترقی ہے۔

ہر آن علم کے حصول میں مشغول ومنہمک رہتے تھے۔ آپ کو زندگی کی دیگر دلچسپیوں سے قطعاً کوئی غرض نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ آپ نے مروجہ سائنس کی تعلیم نہ پائی یہ کہنا صحیح ہے کہ آپ کو کسی مدرسہ میں باقاعدہ تربیت حاصل کئے بغیر کئی زبانوں میں مہارت حاصل تھا۔ آپ کی تعلیم میٹرک تک تھی جس میں ایک طالب علم انگریزی زبان پر صرف ابتدائی واقفیت حاصل کرتا ہے لیکن آپ نے اپنی خدا داد قابلیت اور مشق وتوجہ سے اس زبان میں ایسی مہارت پیدا کر لی کہ ''میثاق النبیین'' ایسی دقیق کتاب کا انگریزی میں سلیس مفہوم کرنے کے لئے تین جلدیں تصنیف کر ڈالیں۔

اگر آپ کی اس عظیم کتاب ''میثاق النبیین'' کو اردو، انگریزی بلکہ دیگر زبانوں میں ترجمہ کر کے وسیع پیمانہ پر پھیلانے کا انتظام کریں تو کچھ تعجب نہ ہوگا کہ بہت سی صدق روحیں اس کے مطالعہ سے ہی اسلام کی حقانیت کا اعلان کر دیں۔

زبوں حالی کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ ہم اپنے دین اور اپنے رسول پاک مقبول صلعم سے دعوے محبت وعقیدت کا زبانی اظہار تو بہت کرنے کے عادی ہیں لیکن جب عملی اقدام اور ایثار وجانفشانی کا سوال ہو تو ہمارے قدم ٹھہر جاتے ہیں کسی اور قوم کے کسی شخص نے ایسی عظیم تصنیف شائع کی ہوتی جس میں ان کے پیغمبر اور کتاب کی صداقت کو جملہ کتب مقدسہ کے حوالوں سے ثابت کیا گیا جاتا تو یہ یقینی بات ہے کہ ایسی کتاب کو لاکھوں کی تعداد میں شائع کیا جاتا اور درجنوں زبانوں میں اس کے تراجم ہو گئے ہوتے! مگر افسوس مسلمان اپنے دین وکتاب اور اپنے پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے قیام کی اصل راہوں سے کس قدر دور و غافل پڑے ہوئے ہیں! کاش کوئی صاحب ایمان وثروت اس طرف توجہ کرے!!

از: حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان مرحوم و مغفور

حضرت مولینا عبدالحقؒ کے بارے میں میرے مشاہدات و تاثرات

یوں تو موت اس عالم آب وگل کی ہر شے کے لئے مقدر ہے لیکن جس طرح زندگی میں فرق ہوتا ہے اسی طرح موت میں فرق ہوتا ہے۔ انک میت و انھم میتــــون کبھی کبھی ایسی موت بھی واقعہ ہوتی ہے جو کسی فرد کی موت نہیں بلکہ بیمار انسانوں کی عمارت حیات اس سے متزلزل ہو جاتی ہے۔

مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۷۷ء تقریباً نو بجے رات حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی رحمتہ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کا جو سانحہ پیش آیا وہ بھی اسی قسم کا سانحہ تھا۔ ان کی موت عالم اسلام کے ایک بے مثل عالم اور تحریک احمدیہ کے ایک صاحب بصیرت بزرگ کی موت تھی۔ احمدیت نے اسلام کی دعوت و تبلیغ کی صفوں میں جو بڑے بڑے آدمی پیدا کئے حضرت مولانا موصوف انہی بزرگوں میں سے ایک تھے۔

۱۹۱۷ء عیسوی کی بات ہے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ کے بعد میرے بزرگ گھر لوٹے تو انہوں نے جلسہ کی روئداد سنائی۔ مقررین جلسہ کی بات چلی تو حضرت مولاناؒ کا ذکر خیر بھی آیا تو میں نے پہلی بار ان کا نام سنا۔ اگلے سال جلسہ سالانہ میں انہیں دیکھا اور ان کی تقریر سنی ان دنوں میں زیر تعلیم تھا اور اسی سلسلہ میں اگلے پانچ سال مجھے لاہور میں متواتر رہنے کا موقع ملا اس دوران نہ صرف سالانہ جلسہ پر ان کی تقاریر سنیں بلکہ ان کے ساتھ دینی تعلقات کا بھی آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تعلقات میں باہمی قرب اور یگانگت کا وہ رنگ بخشا جس پر مجھے فخر ہے اور یہ میرے لئے موجب سعادت ہے کہ مجھے ایسے صاحب کمالات کی شفقت حاصل ہوئی جو خاص مقربین الٰہی میں سے تھا جو حسن اخلاق، مروت و ہمدردی، ایثار نفسی، حلم اور حیاء تواضع وانکسار، تحمل و بردباری، استقامت و پاکیزگی اور خلوص وللّٰہیت کا پیکر تھا اور جو ظاہری صورت میں " سیــمـا ھم فی وجوھھم من اثر السجود کی زندہ تصویر تھا۔

میں اس درویش عالم کو ساٹھ سال تک برابر ملتا رہا۔ میرے دل میں شروع سے ہی جو عقیدت مندی پیدا ہوگئی اس میں کسی وقت اور کسی موقع پر کچھ بھی کمی نہ آئی بلکہ اضافہ در اضافہ ہوتا گیا۔ وہ انتہائی اخلاص و محبت سے ملتے تھے۔ ملنے جلنے اور بات کرنے سے ہم ایک دوسرے کو خوب سمجھنے لگے تھے۔ اس انسان میں بہت بڑی جاذبیت تھی۔ میرے دل میں ان کی بہت محبت تھی، بہت قدر تھی اور بہت احترام واکرام تھا۔

وہ جو بات کہتے اس میں وزن ہوتا تھا۔ وہ اپنی گفتگو سے اور اپنی سچائی اور بردباری سے لوگوں کو بہت متاثر کرتے تھے۔ آدمی ان کے نزدیک آکر اور نزدیک ہو جاتا تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ رہتی تھی۔ ہنسی کی بات پر ہنستے تھے۔ اور ہنساتے بھی تھے وہ بڑے آدمی تھے لیکن بڑوں سے ان کا تعلق بہت کم تھا سوائے دینی تعلق کے وہ بے نیاز انسان تھے انہوں نے اپنی زندگی کا زمانہ صلہ اور اجر کی ہر خواہش کے بغیر بسر کیا۔ سادگی ان کے مزاج کا وہ عنصر تھی جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ بڑے باحوصلہ اور نڈر انسان تھے۔ حضرت مولینا کی پوری زندگی قرآن اور اسلام کی تعلیم اور تبلیغ اور دعوت وارشاد میں گذری۔ وہ بلند پایہ مصنف و محقق اور بے مثل مناظر تھے۔ انہوں نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے دارالقرآن میں طالب علم کی حیثیت سے اپنی علمی و دینی زندگی کا آغاز کیا اور بہت تھوڑے عرصہ میں جملہ علوم اسلامیہ اور دینیہ پر عبور حاصل کر لیا، اور مذاہب عالم سے اس خوبی اور خاموشی سے اپنے آپ کو آگاہ کیا کہ وہ کسی میدان میں بھی اجنبی معلوم نہ ہوتے تھے۔ وہ الہامی کتب کی تقریباً تمام زبانوں کو جانتے تھے سمجھتے تھے، انہیں اللہ تعالیٰ نے بلا کا حافظہ ودیعت فرمایا ہوا تھا۔

حضرت مولیناؒ اسلامی غیرت اور رحمیت اور اس کے لئے جانثاری کے لئے قابل رشک مقام رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین اسلام کی برتری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو دنیا میں قائم کرنے کی خدمت کی وہ توفیق بخشی جس کی مثال دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنی علمی بصیرت اور

تلاش وتحقیق کی ایسی یادگاریں چھوڑی ہیں جو علمی دنیا کو قیامت تک رہنمائی کرتی رہیں گی۔ اس باب میں آپ کا عظیم الشان کارنامہ کتاب ''میثاق النبیین'' ہے جس کا انگریزی ترجمہ محمد ان ورلڈ سکر یچر عالمی شہرت حاصل کر چکا ہے اور جس کی مثال چودہ صدیوں کے مذہبی لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔

یہ ریسرچ ورک بڑے دقیق مطالعہ ومحنت اور وقت اور روپیہ کا متقاضی تھا۔ دنیا بھر کی لائبریریوں کو کھنگنا لنے کا کام تھا۔ جو مولانا عبدالحق صاحب مرحوم ومغفور نے تن تنہا کیا۔ وہ تلاش اور تحقیق کے لئے مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق گئے لیکن روپے کے بل پر کسی کی قدردانی اور روسائے قوم کی جود وسخا کے بھروسے پر نہیں بلکہ صرف اس خدا کے فضل وکرم کے اعتماد پر جو اپنے دروازے کے سائلوں کو دوسروں کی چوکھٹ پر کبھی نہیں بھیجتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو فہم قرآن کا جو ملکہ ودیعت کیا تھا۔ وہ بھی بے نظیر تھا ہر جلسہ سالانہ کے موقعہ پر سب لوگ خصوصیت سے آپ کی تقریر سننے کا اشتیاق رکھتے تھے اور انتظار کرتے کہ حضرت مولاناؒ اس بار کیا نکات اور اچھوتی تفسیر بیان فرماتے ہیں، اپنی تقاریر میں توحید کے اسرار ورموز اور عشق رسول کی باریکیوں اور قرآنی صداقتوں کو جس ایمان افروز اور ایمان پرور انداز سے بیان فرماتے وہ صرف انہی کا حصہ تھا۔ اس لحاظ سے بھی ان کی خدمات علوم قرآنیہ علمی اور مذہبی دنیا کے لئے سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ انہوں نے بہت سی باتوں کو اپنی زندگی میں ہی کتابی صورت میں محفوظ فرمایا دیا تھا جس سے لوگ ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں گے۔

غیر مذاہب کے علماء وفضلاء خصوصاً آریہ سماجی پنڈتوں اور عیسائی مناظروں سے حضرت مولاناؒ کے مباحثوں اور مناظروں کی داستانیں اکثر لوگوں نے سنی ہیں اور یاد ہوں گی۔ پیغام صلح کے صفحات میں بھی ان کا تذکرہ موجود ہے۔ ان کے معرکوں کی گونج تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ سنی جائے گی۔ آپ کے مناظروں میں حقیقت وصداقت اور علم وحکمت کا مواد ہوتا تھا۔ اور نازک سے نازک مقام پر بھی حوصلہ مندی اور اسلامی اخلاق کا معاملہ کرتے۔ آپ کا مناظرہ ومباحثہ فیصلہ کن ہوتا تھا۔ جس کا اعتراف اپنوں کو ہی نہیں بلکہ غیروں کو بھی ہے۔ غیر مذاہب کے علوم پر آپ کی گہری نظر تھی۔ جو کوئی عدو مقابل آیا وہ سرنگوں رہا۔ غلبہ حق اور ابطال باطل کے میدان میں بھی حضرت مولاناؒ مرحوم کی خدمات لائق تحسین ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسے انسان کبھی کبھی آتے ہیں۔ اور جب جاتے ہیں تو عظیم خلاء چھوڑ جاتے ہیں۔ تاہم وہ مرتے نہیں موت ان کے لئے حیات جاوداں کا دروازہ ہوتی ہے ان کا چلن پیچھے آنے والوں کے لئے زندگی کے سفر میں چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت مولاناؒ کی وفات سے قوم کو کافی دھچکا لگا ہے۔ آنکھیں اشکبار ہیں اور دل غمگسار لیکن **کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال و الاکرم** کی اٹل حقیقت بھی سامنے ہے اس لئے رضا بالقضاء کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنے عزیز بزرگ کی جدائی میں **انا للہ وانا الیہ راجعون** کہیں اور ان کے حق میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے مدارج بیش از بیش بڑھائے اور قیامت میں ان کا حشر صدیقوں اور ابرار کے ساتھ کرے۔ آہستہ آہستہ ہمارے بزرگ گذرتے جاتے ہیں اسی طرح ہم بھی ایک دن چلے جائیں گے لیکن یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ جو چلا جاتا ہے اس کی جگہ لینے کے لئے کوئی دوسرا آگے نہیں آتا۔ تاہم اتنا تو ہوسکتا ہے کہ جو شمع انہوں نے جلائی تھی اگر ہم اس کی روشنی میں اضافہ نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کی تابناکی میں کمی نہ آنے دیں، اور اس روشنی کو دنیا کے تاریک مقامات تک پہنچاتے رہیں۔ ہمیں ضرورت ہے کہ ہم ان سے کچھ سیکھیں اور ان کے راستہ پر چلیں۔ اب بھی ہمیں رجال کی ضرورت ہے جو ان کی طرح سوچ سکیں اور ان کی طرح محنت کر سکیں۔ میں نہیں جانتا کہ حضرت مولاناؒ جیسے لوگ اب پیدا ہونگے یا نہیں میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ ہمیں ان کی ضرورت ہے۔ میں نوجوانوں سے کہوں گا کہ وہ حضرت مولاناؒ کی طرح بننے کی کوشش کریں۔ حضرت مولاناؒ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور اپنے ساتھ علوم ومعارف اور کمالات کے خزانے بھی لے گئے۔ لیکن جو کچھ چھوڑ گئے وہ بھی کم نہیں۔ موجودہ اور آئندہ نسلوں کی علمی اور دینی رہنمائی کے لئے اس میں بڑا قیمتی سامان موجود ہے۔ اس منتشر سرمایہ کو اکٹھا کیا جائے۔ مولانا مرحوم کی خدمات کا اعتراف کرنے اور ان کو خراج عقیدت پیش کرنے کا یہی بہترین طریقہ ہے ان کی زندگی میں ہمارے لئے خدمت وعمل کا سبق ہے۔

میں آپ کی زندگی کے صرف چند دیگر واقعات جو ذاتی طور پر میرے مشاہدہ

میں آئے ہیں لکھنا چاہتا ہوں۔ ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ نہر کے کنارے جہاں اب مسلم ٹاؤن آباد ہے احمدیہ بستی بنانے کے خیال سے حضرت سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم نے ایک منصوبہ بنایا اور وسیع قطعہ اراضی خرید کر احباب جماعت کو پلاٹ لینے کی دعوت دی۔ جن معدودے چند احباب نے اس سے فائدہ اٹھایا، حضرت مولیناؒ عبدالحق صاحب ودیارتھی ان میں سے ایک تھے وہ ایک جرات مند اور فعال انسان تھے۔ انہوں نے پلاٹ لیا اور جلد ہی مکان بھی تعمیر کر لیا۔ شاہ صاحب مرحوم نے قریب ہی مسجد بھی بنا دی۔

۳۸۔ ۱۹۳۷ء میں حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علیؒ نے بھی اپنی کوٹھی اس مسجد کے پاس بنالی۔ اس طرح حضرت مولاناؒ کو جی بھر کر امیر مرحوم سے فیضاب ہونے کا قریبی موقع ملا۔ روزمرہ نمازوں کے اوقات میں شمولیت اور نماز کے مواقع بھی میسر آنے لگے۔ بعد کے زمانہ میں مجھے بعض دفعہ حضرت امیر مرحوم کے ہاں لاہور آ کر رہنے کی سعادت نصیب ہونے لگی۔ ایسے موقعوں پر حضرت مولینا عبدالحقؒ اور حضرت امیر مرحوم کی باہمی محبت اور ان کے ایک دوسرے کے قریب رہنے کی برکات کا نقشہ دیکھتا تو مجھے اس زندگی پر رشک آتا۔

حضرت امیرؒ کو حضرت مولانا عبدالحقؒ پر بڑا ہی فخر تھا وہ ایک باوفا ساتھی تھے جن کی وفاداری اور استقامت میں کبھی بھی سرمو فرق نہ آیا۔ میں نے سنا ہے کہ کسی موقعہ پر ایک شخص نے آپ (حضرت امیر) پر اعتراض کیا کہ آپ کی جماعت نے کیا کام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے ایک عبدالحق پیدا کیا ہے یہ کوئی چھوٹا کام ہے ایک عبدالحق کا پیدا ہو جانا واقعی ایک بہت بڑا کارنامہ ہے جس میں حضرت امیر مرحوم کی براہ راست تربیت اور ان کے فیضان صحبت کا بڑا دخل تھا۔

۴۵۔ ۱۹۴۴ء میں حضرت مولانا عبدالحقؒ کی اہلیہ مرحومہ بیمار ہو گئیں۔ اور ایک لمبے عرصہ کے لئے بغرض علاج ڈاڈر سینی ٹوریم میں داخل رہیں دریں اثنا مولانا مرحوم بھی بچوں سمیت ان کے ساتھ رہے اس طرح ہمیں بھی ان سے ملاقات اور ان کی محبت اور فیضان صحبت کی سعادت نصیب ہوتی رہی۔ اس اثنا میں ان کی زندگی کو بھی قریب سے دیکھا پرکھا ان کی بیمار بیگم صاحبہ کو دیکھنے کے لئے میں روزانہ اور بعض دفعہ دن میں زیادہ بار بھی جایا کرتا تھا۔ اس طرح ان کی خانگی زندگی کی جھلکیاں بھی میری نظر سے گذرتی رہتی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ ان میں غیر معمولی قوت برداشت اور حلم وصبر پایا جاتا ہے۔ اور سخت خانگی دشواریوں کے اندر بھی ان کے چہرے کی شگفتگی برقرار رہتی۔

غرض ان کے اخلاق فاضلہ کا سکہ ہمارے دلوں پر بیٹھ گیا۔ آپ کا تقوے و طہارت اور آپ کی پاکیزہ زندگی تو ایک نمایاں چیز تھی۔ اس زمانہ میں نماز مغرب و عشاء کا درمیانی وقت درس قرآن وحدیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کے پڑھنے سننے میں گذارنا ہمارا روزمرہ کا معمول تھا۔ ہماری درخواست پر حضرت مولیناؒ اس زمانہ میں درس قرآن کریم دیتے رہے۔ جس حصہ قرآن کریم کا انہوں نے ان ایام میں درس دیا اس میں سورۃ الکھف بھی تھی۔ جس کی تفسیر انہوں نے کئی روز میں بیان فرمائی۔ سامعین جن میں غیراز جماعت احباب بھی موجود ہوتے تھے ان کے علمی کمالات سے بے حد متاثر ہوتے۔

ڈاڈر سینی ٹوریم سے ریٹائر ہو کر میں نے ایبٹ آباد میں سکونت اختیار کر لی تو موسم گرما میں دو روز سالانہ جلسوں کا انعقاد ہونے لگا اور سمر سکول کے نام سے دو تین ہفتوں کے تربیتی کورس بھی شروع ہوئے جن میں بیرونی جماعتوں کے نوجوان اور بزرگ اساتذہ حضرات بھی شریک ہوتے تھے ایسی تقریبات ہر بار میں نے حضرت مولانا کی شمولیت کے لئے دعوت دی تو ہر بار انہوں نے بطیب خاطر اسے قبول فرمایا۔ پیرانہ سالہ کے باوجود سفر کی صعوبت کو خوش دلی سے برداشت کیا اور اپنی صحبت اور فیضان سے ہمیں مستفید فرمایا۔ ایسے جلسوں کے بعد میں ہر بار انہیں چند دن کے لئے اپنے ہاں قیام و آرام کرنے کی درخواست کرتا تو آپ دو چار دن میری خاطر ٹھہر جاتے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ وہ کافی دن آرام کریں اور لاہور کی گرمی سے محفوظ ہو جائیں تا کہ ان کی صحت پر بھی اچھا اثر ہو لیکن زیادہ قیام کے لئے مولاناؒ کبھی بھی تیار نہ ہوتے۔

ایک سال مجھے معلوم ہوا کہ ان کی صحت لاہور کی شدت گرمی کی وجہ سے اچھی نہیں رہتی تو ان سے اصرار کیا کہ ایبٹ آباد آ جائیں اور ان کے لئے ٹھہرنے کا علیحدہ حصہ مکان میں انتظام کیا تا کہ وہ سکون واطمینان سے اپنا علمی کام بھی جاری رکھ سکیں۔ وہ تشریف لائے لیکن ہفتہ عشرہ سے زیادہ قیام پر راضی نہ ہوئے اور لاہور

واپس تشریف لے گئے۔

۱۹۷۴ء کے آخر میں میں نے لاہور آکر دارالسلام میں رہائش اختیار کرلی تو شروع شروع میں حضرت مولیناؒ کے خطبات سننے کے لئے مسلم ٹاؤن کی احمدیہ مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے جاتا۔ پھر جب یہ فیصلہ ہوا کہ دارالسلام کی تعمیر شدہ جامع مسجد کو بھی آباد کیا جائے اور نماز جمعہ وہاں بھی پڑھائی جائے تو میں نے حضرت مولاناؒ سے درخواست کی کہ وہ یہاں جمعہ پڑھایا کریں۔ وہ دو چار بار تشریف لائے بھی لیکن اس خیال سے کہ مسلم ٹاؤن کی مسجد ان کے بغیر غیر آباد ہوجائے گی انہوں نے دارالسلام آنا بند کردیا اور مسلم ٹاؤن کی مسجد میں ہی جمعہ پڑھاتے رہے۔ البتہ عیدین کی نمازوں اور دیگر خاص تقریبات کے لئے وہ دارالسلام ہی تشریف لاتے رہے۔

اپریل ۱۹۷۶ء میں جب امریکہ کے بلالی مسلمانوں کے چیف امام مسٹر والس ڈی محمد ہمارے مہمان کی حیثیت سے لاہور تشریف لائے تو انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب سے ملنا چاہتے ہیں اور وہ اپنے بھائی مسٹر ہربرٹ محمد اور بھتیجے مسٹر سلطان محمد کی معیت میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ بڑی عقیدت اور ادب و احترام سے حضرت مولانا سے ملے۔ جناب والس ڈی محمد صاحب نے کہا کہ:۔

آج میری ایک پرانی آرزو پوری ہوئی ہے کہ مجھے ''محمد ان ورلڈ سکرپچرز'' جیسی مایہ ناز کتاب کے مولف و مصنف کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ میں نے آپ کی کتاب تین بار پڑھی ہے یہ بہت عظیم الشان ریسرچ ورک ہے جس کی مثال علمی دنیا میں نہیں ملتی''۔

دوران گفتگو میں نے حضرت مولانا کو مخاطب کر کے عرض کیا کہ آپ انہیں اپنی زبانی بتلائیں کہ آپ نے بدھ مت کی الہامی کتاب کے حوالہ کی تلاش میں کہاں کہاں کا سفر کیا تو آپ نے اپنے مخصوص انداز میں اپنی سرگذشت سنائی کہ کیسے پہلے لندن گئے اور وہاں برٹش میوزیم میں اس کتاب کو تلاش کرتے رہے جب کامیابی نہ ہوئی تو امریکہ گئے اور سان فرانسسکو اور نیویارک کی لائبریریوں میں تلاش کرتے رہے۔ وہاں پر کسی نے انہیں بتلایا کہ یہ کتاب انہیں ادیار (مدارس) کی تھیوسوفیکل سوسائٹی کی لائبریری میں ملے گی تو وہ امریکہ سے مدارس پہنچے، وہاں پتہ چلا کہ اس کتاب کا ایک ہی نسخہ ہے جو سیلون کی ایک لائبریری میں ہے، چنانچہ وہاں سے وہ کولمبو گئے اور اس طرح انہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی۔

محترم والس ڈی محمد صاحب قریباً آدھ گھنٹہ حضرت مولاناؒ کی خدمت میں رہے اور ان کی باتیں سنتے رہے۔ جب ان سے رخصت ہونے لگے تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا ان کی زندگی کی ایک پرانی خواہش پوری ہوگئی ہے یہ اپریل ۱۹۷۶ء کا واقعہ تھا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے آنکھ کا آپریشن کرایا جو بدقسمتی سے کامیاب نہ ہوا ان کی آنکھ سے ہر وقت پانی بہتا تھا جو بار بار انہیں پونچھنا پڑتا تھا یہ بات ان کے لئے مستقل پریشانی کا موجب تھی۔ ویسے بھی اس زمانے کے بعد ان کی عام صحت کمزور ہوگئی تھی۔ ان کی بڑی صاحبزادی مسز عزیز احمد صاحبہ انگلستان رہتی تھیں ان کی بار بار درخواست پر آپ انگلستان تشریف لے گئے۔ وہاں آنکھوں کا معاینہ کروایا لیکن انہیں خاص فائدہ نہ ہوا۔ آنکھ کے علاج سے بڑھ کر ان کے پیش نظر اپنی کتاب ''محمد ان ورلڈ سکرپچر'' کو اپنے حسب منشاء چھپوانے کا کام تھا اس کام کے لئے وہ کافی دن وہاں ٹھہرے رہے لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے ان کی موجودگی میں وہ کام مکمل نہ ہوسکا۔ سردیاں آگئیں اور وہ واپس وطن لوٹ آئے۔ ان کے قیام انگلستان کے زمانہ میں مجھے بھی وہاں جانے کا اتفاق ہوا اور چند بار ان کی خدمت میں حاضر بھی ہوا۔ عیدالفطر کی نماز کے لئے وہ احمدیہ ہاؤس بھی تشریف لے گئے۔ میرا جی چاہتا تھا کہ عید کا خطبہ وہ دیں لیکن ان کی کمزوری کے پیش نظر ان سے یہ درخواست کرنے کی کسی کو جرات نہیں ہوئی میں نے دیکھا کہ ان دنوں میں وہ اکثر خاموش بیٹھے رہتے تھے جس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ ان کی طبیعت کی کمزوری کچھ زیادہ ہی بڑھ چکی ہے۔ ۱۹۷۶ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر آپ نے ایک گھنٹہ سے کچھ زیادہ دیر تک تقریر فرمائی جو حسب معمول معارف قرآنی سے لبریز تھی۔ یہ مجمع نے کمال توجہ اور شوق سے سنی اس وقت کسے معلوم تھا کہ وہ انہیں آئندہ جلسہ میں نہ دیکھ سکیں گے۔

اگست ۱۹۷۷ء کے آخری ہفتہ میں میرا انگلستان جانے کا ایک بار پھر

پروگرام بن گیا۔ اس سفر پر روانگی سے ایک دو روز پہلے میں حضرت مولانا عبدالحق مرحوم کی خدمت میں الوداعی سلام کے لئے حاضر ہوا۔ وہ اوپر کی منزل سے نیچے تشریف لے آئے ان کی بہتر حالت دیکھ کر مجھے اطمینان سا ہو گیا لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ میں انہیں آخری بار مل رہا ہوں اور انوار الٰہی سے مزین اس پاکیزہ اور حسین چہرے کو میں پھر نہ دیکھ سکوں گا۔ غالباً انہیں بھی اس بات کا علم نہ تھا کہ ہم دونوں کی یہ آخری ملاقات ہے۔

میں انگلستان میں ہی تھا کہ محترم جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کے خط سے جو انہوں نے اپنی ہمشیرہ کو لکھا تھا حضرت مولاناؒ کی وفات کی روح فرسا خبر ملی۔ خط سے مولاناؒ کے آخری اوقات کی کچھ ایمان افروز باتیں بھی معلوم ہوئیں جو ان کے خاتمہ بالخیر کی نشاندہی کرتی تھیں مثلاً یہ کہ محترم فاروقی صاحب ان کی وفات سے ایک روز پہلے مولیناؒ کی عیادت کے لئے گئے تو حضرت مولیناؒ نے ان کو اپنا خواب یا کشف سنایا کہ ''حضرت مولیناؒ محمد علی تشریف لائے ہیں اور ان سے فرما رہے ہیں کہ بستر باندھیں اور میرے ساتھ حج کے لئے چلیں''۔ خواب سن کر جناب فاروقی صاحب نے ہنس کر مولیناؒ سے کہا کہ اس طرح مجھے حضرت امیر مرحوم اپنے ہمراہ لے جائیں گے تو میں ابھی تیار ہوں پھر دونوں ہنسنے لگے۔

فاروقی صاحب نے خط میں یہ بھی لکھا کہ عجیب واقعہ ہے کہ حضرت مولیناؒ کی وفات ان ساعتوں میں ہوئی جب عرفات کے میدان میں حج ہو رہا تھا۔ خود فاروقی صاحب کو اس سانحہ جانگداز کی خبر جس وقت پہنچی وہ ٹیلیویژن کے سامنے حج کی فلم دیکھ رہے تھے جو اس وقت خلائی سیارے کے ذریعہ میدان عرفات سے براہ راست ٹیلی کاسٹ ہو رہی تھی۔ ایک مبارک زندگی کا یہ مبارک انجام ہوا۔ حضرت مولاناؒ اس جہاں میں جنتی زندگی جیئے اور آثار سے عیاں ہے کہ ان کی اس زندگی کا خاتمہ بھی بالخیر ہوا۔ ہماری دعا ہے اور خداوند ذوالمنن کی بارہ گاہ سے یقین کی حد تک امید بھی رکھتے ہیں کہ ان کا مقام اس زمرہ ابرار میں ہو جن کے متعلق قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے ''وہی لوگ تو وارث ہیں جو بہشت کے وارث ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

وفات حسرت آیات

بیرونی ممالک

ذیل کے احباب اور خواتین رحلت فرما گئے ہیں:

''بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''

محترمہ سائرہ حسین صاحبہ (**سووا، فجی**) وفات پا گئی ہیں۔

فجی: بیوہ مولوی قدوس حسین مرحوم وفات پا گئی ہیں۔

امریکہ: مسز موفیدہ خان صاحبہ وفات پا گئی ہیں۔

ساؤتھ افریقہ، کیپ ٹاؤن: ابراہیم محمد صاحب کے بھائی سلمان کیپی صاحب وفات پا گئے ہیں۔

انڈونیشیاء، جکارتہ: اکس رحمان ادیوی جایا وفات پا گئے ہیں۔

پاکستان

لاہور: تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دلی دُکھ ہوگا کہ عثمان نذیر صاحب کی والدہ اور چوہدری سعادت احمد صاحب کی ہمشیرہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئی ہیں۔

راولپنڈی: میاں محمود احمد صاحب کی رفیقہ حیات اور محمد علی صاحب کی والدہ محترمہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئی ہیں۔

پشاور شیخ محمدی: جناب فتح محمد خان صاحب قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کے اہل خانہ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

واقعہ کربلا حقیقت کے آئینے میں

تحریراز: فضل حق صاحب

ترجمہ: ''اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگتے رہو اور یقیناً یہ بڑی مشکل ہے مگر نہ ان پر جن کے دل پگھلتے ہیں۔ اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اُنہیں مردو نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم محسوس نہیں کرتے۔ اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں سے تمہارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دو۔ جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''۔

محترم قارئین کرام! ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ حضرت امام حسینؓ نے بھی اللہ کے راستے میں جان دی اس لئے وہ بھی ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ غور کرتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ نے اسلام کو زندہ رکھنے کے لئے کیسے اپنے اور اپنے خاندان کو قربان کیا۔

کربلا کا واقعہ 10 محرم 61ھ (بمطابق 9 یا 10 اکتوبر 680ء) کو موجودہ عراق میں کربلا کے مقام پر پیش آیا۔ جہاں شیعہ عقیدہ کے مطابق اموی خلیفہ یزید اول کی فوج نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت امام حسینؓ اور ان کے خاندان کو شہید کیا۔ حضرت امام حسینؓ کے ساتھ 72 ساتھی تھے جن میں سے 18 اہل بیت تھے اور ان کے علاوہ خواتین اور بچے بھی شامل تھے۔

واقعہ کربلا کے اسباب

یزید کی نامزدگی اور شخصی حکومت کا قیام:

اسلامی حکومت کی بنیاد مشورہ پر تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دور اس کی بہترین مثال تھے۔ حضرت حسنؓ نے حضرت امیر معاویہؓ سے معاہدہ کیا تھا کہ کسی کو خلیفہ نامزد نہ کریں گے مگر حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو نامزد کر دیا۔

یزید کا ذاتی کردار:

یزید ذاتی کردار کے لحاظ سے کمزور تھا جو ایک امیر یا خلیفہ کے لئے اسلام نے مقرر کئے تھے۔ سیر و شکار اور شراب و شباب اس کے من پسند مشاغل تھے۔ لہذا ذاتی حیثیت سے بھی کسی فاسق و فاجر کو بطور امیر یا خلیفہ ماننا حضرت امام حسینؓ کے لئے ممکن نہیں تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید رجب کے مہینے 60 ہجری میں تخت نشین ہوا۔ اس وقت ولید بن عتبہ مدینے کا گورنر تھا۔ عمر ابن سعد مکہ کا گورنر تھا۔ نعمان بن بشیر انصاری کوفہ کا گورنر تھا اور عبیداللہ ابن زیاد کا گورنر تھا۔

بیعت پر اصرار:

یزید کا ابتدائی مقصد ان لوگوں سے بیعت حاصل کرنا تھی جنہوں نے حضرت معاویہؓ کو پہلے ہی انکار کر دیا تھا پس یزید نے بادشاہ بننے کے بعد مدینہ کے حاکم ولید بن عقبہ کے ذریعے بیعت لینا شروع کی مگر ولید نے سختی سے کام نہ لیا لیکن مروان بن الحکم زبردستی بیعت لینے کے لئے مجبور کر رہا تھا۔ تو ان حالات میں امام حسینؓ مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔

کوفیوں کے خط:

جب آپ مکہ معظمہ پہنچ گئے تو کوفیوں نے آپؓ کے پاس اپنے قاصد و پیغامات بھیجے اور عرض کی کہ آپؓ کوفہ تشریف لے آئیں ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں، ہم لوگوں نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے، اس کے گورنر کے پیچھے جمعہ پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر تھا۔ جب کوفیوں کی طرف سے اس قسم کے پیغامات آئے تو حضرت امام حسینؓ نے تحقیق احوال کے لے پروگرام بنایا۔

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ میں:

حضرت امام حسینؓ نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ روانہ کیا تا کہ وہ وہاں کی صورت حال کا اچھی طرح جائزہ لے۔ امام مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ گئے اور وہاں جا کر عوسجہ کوفی کے پاس ٹھہرے۔

کوفیوں کی بیعت:

کوفیوں کو جب امام حسین رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر ہوئی تو خفیہ طور پر ان کے پاس پہنچے اور بارہ ہزار کوفیوں نے ان کے ہاتھ پر امام حسین رضی اللہ عنہ کے لئے بیعت کی۔

گورنر کوفہ نعمان بن بشیر کی معزولی:

امام مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر جب بارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کی تو یزید کے ایک جاسوس عبداللہ بن مسلم حضرمی نے نعمان بن بشیر کو کہا کہ دیکھو شہر کی صورتحال کیا ہے یا تو کوفہ والے آپ کو کمزور سمجھتے ہیں یا آپ واقعتاً کمزور ہیں۔

حضرت نعمان نے جواب دیا:

میری ایسی کمزوری جو اطاعت الٰہی میں ہو اس طاقت سے بہتر ہے جو خدا کی نافرمانی کرے۔ جس کام پر اللہ نے پردہ ڈالا اس کو کیوں ظاہر کروں۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسلم حضرمی نے اس کی شکایت یزید کے پاس لکھ کر بھیج دی۔ یزید نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام سرحون سے مشورہ کیا سرحون نے مشورہ دیا فوری طور پر عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دو چنانچہ نعمان بن بشیر کو معزول کر دیا گیا اور ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنا دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو تلاش کرو اگر مل جائے تو اسے قتل کر دو۔

عبیداللہ بن زیاد کوفے کا نیا گورنر:

ابن زیاد بصرہ کے چند ساتھیوں کے ہمراہ اس حالت میں کوفہ آیا اور اس نے بھیس بدل رکھا تھا وہ جس مجلس سے بھی گذرتا سلام کرتا۔ لوگ جواب میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سمجھ کر ''وعلیک یا ابن رسول اللہ'' (اے رسول کے بیٹے آپ پر بھی سلام ہو) جواب دیتے۔

کوفی سمجھتے تھے کہ حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں۔ یہاں تک کہ ابن زیاد قصر امارت میں پہنچ گیا۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی تلاش:

ابن زیاد نے کوفہ پہنچ کر اپنے غلام کو تین ہزار درہم دیئے اور کہا جاؤ اس شخص کا پتہ لگاؤ جو کہ کوفہ والوں سے بیعت لیتا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو ظاہر کرو کہ حمص کا باشندہ ہوں اور بیعت کرنے آیا ہوں اور یہ رقم پیش خدمت ہے۔ آپ اپنے مشن میں صرف کر سکیں۔ غلام اس حیلہ سے اس شخص تک پہنچ گیا جو بیعت کا اہتمام کرتا تھا۔ جب اس نے رقم پیش کی اور بیعت کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس آدمی نے خوش ہو کر کہا کہ تمہیں ہدایت کا راستہ نصیب ہوا ہے لیکن افسوس کہ ابھی تک ہمارا کام پختہ نہیں ہوا۔ تاہم وہ اس غلام کو مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ امام حسین مسلم رضی اللہ عنہ نے اس سے بیعت لی اور یہ رقم بھی قبول کر لی۔ اب وہ یہاں سے نکلا اور سیدھا ابن زیاد کے پاس پہنچا اور سب کچھ اس کو بتلا دیا۔ ادھر حضرت مسلم رضی اللہ عنہ ابن زیاد کی کوفہ آمد سے عوسجہ کا گھر چھوڑ کر ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو چکے تھے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو پیغام بھی بھیج دیا کہ بارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی ہے۔ آپ کوفہ تشریف لے آئیں۔

ھانی بن عروہ کی گرفتاری:

جب ابن زیاد کو پتہ چل گیا کہ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ ہانی عروہ کے گھر ہے۔ اس نے کہا کیا بات ہے کہ ھانی مجھے ملنے نہیں آئے۔ محمد بن اشعث چند ساتھیوں کے ساتھ ھانی کے دروازہ پر آئے، ھانی اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ''گورنر نے آپ کو یاد کیا ہے لہذا آپ کو گورنر کے پاس جانا چاہیے۔'' چنانچہ ان کے زور پر ھانی ابن زیاد کے پاس پہنچے۔

اتفاق سے اس وقت قاضی شریح بن ابن زیاد کے پاس موجود تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھو اس احمق کی قضاء ہمارے پاس لے آئی ہے۔ ہانی نے سلام کیا۔ ابن زیاد بولا: ''مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کہاں ہے؟''۔ ہانی بن عروہ نے کہا: ''مجھے علم نہیں ہے''۔

اس پر ابن زیاد نے غلام کو سامنے کر دیا۔ ھانی بالکل لاجواب ہو گیا اور کہا: ''میں نے ان کو بلایا نہیں وہ خود بخود میرے گھر میں آ گئے ہیں'' ابن زیاد نے کہ: ''کہ اس کو حاضر کرو''۔ اس پر ھانی نے انکار کیا۔ جس پر ابن زیاد نے اپنے قریب کر کے اس زور سے چھڑی ماری جس سے ان کی بھنویں پھٹ گئیں اور پھر تلوار سے وار کرنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ ابن زیاد نے کہا کہ: ''اب تیرا خون حلال ہے اور اس کو قصر امارت کے ایک حصہ میں قید کر دیا''۔

اس واقعہ کی اطلاع پر ھانی کے قبیلہ نے قصر امارت پر حملہ کر دیا۔ ابن زیاد

نے قاضی شریح کے ذریعہ ان کو پیغام بھیجا کہ ھانی کو مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا پتہ و تحقیق کرنے کے لئے روکا ہے خطرے کی کوئی بات نہیں اور قاضی شریح کے ساتھ بھی ایک غلام کو بھیج دیا کہ دیکھو یہ لوگوں کو کیا کہتے ہیں قاضی شریح لوگوں کی طرف جاتے ہوئے ھانی کے پاس سے گذرے تو اس نے کہا: کہ میرے بارے میں اللہ سے ڈرنا۔ ابن زیاد میرے قتل کے درپے ہے تاہم قاضی شریح نے ابن زیاد کی بات کہہ کر مطمئن کر دیا۔ یہ بات سن کر لوگ مطمئن ہو گئے۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا اعلانِ جنگ

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو جب اس ہنگامے کا علم ہوا تو انہوں نے جنگ کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ چار ہزار لوگ ایک روایت کے مطابق چالیس ہزار آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ ان کو جنگی طریقہ سے ترتیب دے کر قصر امارات کی طرف روانہ کر دیا۔ ابن زیاد کو اطلاع ہوئی تو اس نے کوفہ کے سرداروں کو بلایا جب لشکر قصر امارت تک پہنچ گیا تو کوفہ کے سرداروں نے اپنے اپنے قبیلہ کو سمجھایا کہ وہ آہستہ آہستہ کھسکنا شروع ہو گئے۔ رات کے اندھیرے تک کوئی باقی نہ رہا۔

کوفیوں کی غداری اور امام مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا سب نے دھوکہ دے دیا ہے اور تنہا رہ گئے ہیں تو راستہ پر چل پڑے ایک مکان پر پہنچے اندر سے ایک خاتون نکلی۔ آپ نے پانی مانگا اس عورت نے پانی پلا دیا اور واپس اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر باہر آئی۔ آپ کو دروازہ پر دیکھ کر کہا کہ اے اللہ کے بندے تیرا اس طرح بیٹھنا مشکوک ہے۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ آپ نے کہا میں مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ ہوں تم مجھے پناہ دو گی؟ اس نے کہا آ جایئے۔ آپ اندر چلے گئے۔ جب اس عورت کے لڑکے محمد بن اشعث کو پتہ چلا کہ حضرت مسلم بن عقیل رحمتہ اللہ علیہ ان کے گھر ہیں تو اس نے فوراً ابن زیاد کو اطلاع کر دی۔ ابن زیاد نے اس کے ہمراہ پولیس روانہ کر دی۔ پولیس نے جا کر مکان کا محاصرہ کر لیا۔ مسلم اطلاع ملتے ہی تلوار نکال کر باہر نکل آئے مقابلہ کا ارادہ کیا، لیکن محمد بن اشعث نے روکا اور حفاظت کی ذمہ داری اٹھالی۔ حضرت مسلم کو پکڑ کر ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ چنانچہ ابن زیاد کے حکم سے قصر امارت کی چھت پر لے جا کر مسلم کو قتل کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور ان کی لاش بازار میں لوگوں کے سامنے پھینک دی اور ہانی بن عروہ کو کوڑا کرکٹ کی جگہ گھسیٹے ہوئے سولی پر لٹکا دیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ سے کوفہ کی طرف روانگی

حضرت امام مسلمؓ کا خط امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا کہ بارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی ہے لہذا آپ جلد کوفہ پہنچ جائیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ قادسیہ سے تین میل کے فاصلے پر تھے کہ حر بن یزید تمیمی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قافلے سے ملا اس نے کہا کہاں جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ کوفہ! اس نے کہا وہاں کسی خیر کی توقع نہیں ہے۔ آپ کو یہاں سے واپس ہو جانا چاہیے پھر اس نے کوفیوں کی بے وفائی اور حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ سنایا۔ سارا واقعہ سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ لیکن مسلم رضی اللہ عنہ کے بھائیوں نے کہا ہم بدلہ لیں گے یا شہید ہو جائیں گے۔ اس پر امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے بغیر زندگی کا کوئی لطف نہیں ہے۔ سب کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے جب آپ کو ابن زیاد کی فوج کا دستہ نظر آیا تو آپ نے کربلا کا رخ کر لیا۔

ابن زیاد کی تیاریاں:

ابن زیاد کے حکم سے پولیس کے افسر حصین بن نمیر نے قادسیہ سے جبل لعل تک راستے بند کر دیئے۔ اور ابن زیاد نے امام حسین کی پیش قدمی روکنے کے لئے حر بن یزید تمیمی کو روانہ کیا۔ ذی حشم کے مقام پر آپ سے اس کی ملاقات ہوئی۔ حضرت امام حسینؓ نے اسے کوفیوں کے خط کے دو تھیلے دکھائے اور کہا کہ ''اب آپ لوگوں کی رائے بدل گئی ہے تو میں واپس جانے کے لئے تیار ہوں'' حر نے کہا کہ مجھے تو آپ کو گرفتار کرنے کا حکم ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کربلا آمد

امام حسین کا قافلہ اور حر کا لشکر ساتھ ساتھ چلتے رہے جب نینوا کے مقام پر پہنچے تو وہاں ابن زیاد کے ایک قاصد نے حر کو ایک خط دیا جس میں فرمایا'' جیسے ہی میرا قاصد اور خط ملے تم امام حسینؓ کو ایسی جگہ روک دو جہاں نہ سایہ ہو نہ پانی''۔
حُر نے تمام واقعہ امام حسینؓ کو بتایا اور امام حسینؓ کو 2 محرم 61ھ کو کربلا کے

مقام پر روک دیا۔ دوسرے دن عمر بن سعد 6000 سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو حکم دیا کہ اگر امام حسینؓ بیعت نہ کریں تو پانی بند کر دینا۔ اور اگر وہ اپنے آپ اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیعت کے لئے تیار نہ ہوں تو جنگ کے لئے تیار رہیں۔ عمر بن سعد اپنا اقتدار بچانے کے لئے امام حسینؓ سے جنگ کے لئے تیار ہو گیا یہ 9 محرم الحرام کی بات ہے۔

حضرت امام حسینؓ کی شہادت

صلح کی آخری گفتگو ناکام ہونے کے بعد امام حسینؓ نے آخری خطبہ فرمایا: ''اے لوگوں جلدی نہ کرو تم میرے خاندان پر غور کرو اور دیکھو میں کون ہوں کیا تمہیں میرا قتل اور توہین زیب دیتی ہے۔ کیا میں تمہارے نبیؐ کا نواسہ اور حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کا بیٹا نہیں ہوں کیا تمہیں رسول اللہ کا وہ قول یاد نہیں جو انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا تھا کہ دونوں جنت کے سردار ہوں گے'' حضرت امام حسینؓ کے اس بیان پر کرفیوں پر تو کوئی اثر نہ ہوا لیکن حضرت حُر بن تمیمی یہ کہتے ہوئے حضرت امام حسینؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے کہ ''یہ جنت اور دوزخ کے انتخاب کا موقع ہے''۔ میں نے جنت کا انتخاب کر لیا ہے خواہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔

حُر کے حضرت امام حسینؓ کے لشکر میں شامل ہونے کے بعد شخصی جنگ شروع ہوئی جس میں اہل بیت کا پلہ بھاری رہا۔ پھر عام جنگ ہوئی۔ حضرت امام حسینؓ کے ایک ایک کر کے ساتھی شہید ہوتے گئے اور دشمنوں نے امام حسینؓ زغہ کو میں لے لیا مگر شہید کرنے کی طاقت کسی کو نہیں ہو رہی تھی کوئی نہ چاہتا تھا کہ وہ یہ گناہ اپنے سر لے۔ آخر شمر کے اکسانے پر زرعہ بن تمیمی نے یہ بدبختی اپنے سر لی اور ہاتھ اور گردن پر وار کیے۔ سنان بن انس نے تیر چلایا اور آپ گر گئے اور شمر بن جوشن نے آپؓ کی گردن کے پیچھے وار کیا اور آپؓ کی گردن تن سے جدا کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابن زیاد کے حکم سے آپؓ کے جسم کو گھوڑوں کے ٹاپوں سے روندا گیا اور اہل بیت کے شہیدوں کے سر نیزوں پر رکھ کر پہلے ز بن زیاد کے دربار میں اور بعد میں دمشق میں یزید کے دربار میں لے جائے گئے۔ یزید نے امام حسینؓ کے دانتوں کو چھڑی سے چھیڑا تو حضرت زید بن ارقم یزید کو فرماتے ہیں کہ ایسا نہ کرو میں نے خود حضرت محمدؐ کو یہ منہ چومتے دیکھا ہے۔ یزید نے کہا اوے بڈھے تیرا دماغ پھر گیا ہے اگر تو بڈھا نہ ہوتا تو میں تیرا سر قلم کر دیتا۔

خواتین و بچے یزید کے دربار میں

حضرت امام حسینؓ کے بچے اور افراد خانہ یزید کے دربار میں پہنچے تو درباریوں نے فتح مکہ کی مبارکباد دی یزید نے سب کو مدینہ روانہ کر دیا۔

واقعہ کربلا کی اہمیت

اگر حقائق کی روشنی میں سانحہ کربلا کا جائزہ لیا جائے تو یہ واقعہ تاریخ اسلام میں ہے کیونکہ اس سے اسلامی نظام حکومت میں ایسی خرابی کا آغاز ہوا جس کے اثرات آج تک محسوس ہو رہے ہیں۔ جہاں تک حق وانصاف، حریت وآزادی اور اعلائے کلمتہ الحق کے لئے جدوجہد کا تعلق ہے یہ کہنا درست ہوگا کہ سانحہ کربلا تاریخ اسلام کا ایک شاندار اور زریں باب ہے۔ جہاں تک اسلامی تعلیمات کا تعلق ہے اس میں شخصی حکومتوں یا بادشاہت کا کوئی تصور موجود نہیں۔ یزید کی نامزدگی اسلام کے نظام شوریٰ کی نفی تھی لہٰذا امام حسینؓ نے جس پامردی اور صبر سے کربلا کے میدان میں مصائب ومشکلات کو برداشت کیا وہ حریت جرات اور صبر واستقلال کی لازوال داستان ہے۔ باطل کی قوتوں کے سامنے سرنگوں نہ ہو کہ آپ نے حق و انصاف کے اصولوں کی بالادستی، حریت فکر اور خدا کی حاکمیت کا پرچم بلند کر کے اسلامی روایات کی لاج رکھ لی۔ اور انہیں ریگ زار عجم میں دفن ہونے سے بچا لیا۔ حضرت امام حسینؓ کا یہ ایثار اور قربانی تاریخ اسلام کا ایک ایسا درخشندہ باب ہے جو کاروان منزل شوق ومحبت اور حریت پسندوں کے لئے ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ سانحہ کربلا آزادی کی اس جدوجہد کا نقطہ آغاز ہے جو اسلامی اصولوں کی بقا اور احیاء کے لئے تاریخ اسلام میں پہلی بار شروع کی گئی۔ سچ ہے کہ:

''اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد''

☆☆☆☆

درس قرآن مجید نمبر ۳۲

اسلام میں نیکی کی عملی صورتیں

نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور

ترجمہ: ''یہ تو کوئی بڑی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو۔ لیکن بڑا نیک وہ ہے جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر۔ اور مال کو اس کی محبت کے باوجود دیتا ہے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں جن کی گردنیں دبی ہوئی ہیں انہیں چھڑانے کے لئے۔ اور نماز کو قائم کرتا ہے اور زکوٰۃ کو ادا کرتا ہے۔ اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب وہ عہد کریں اور صبر کرنے والے تنگی اور تکلیف اور دُکھ میں اور مقابلہ کے وقت، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اپنے ایمان کو) سچ کر دکھایا اور یہی متقی ہیں''۔ (سورۃ البقرۃ ۲۔ آیت ۱۷۷)

اس آیت مبارکہ کے تقریباً پہلے آدھے حصّہ کو میں پچھلے دو درسوں میں بیان کر چکا ہوں اور جن لوگوں نے اُن دو درسوں کو نہیں پڑھا میری اُن سے درخواست ہے کہ وہ انہیں دیکھ لیں۔ میں اُن کے وسیع مضمون کو یہاں نہیں دوہرا سکتا۔

بطور خلاصہ عرض کر دوں کہ مضمون یہ چل رہا ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے تہذیب و تمدن، چاہے وہ مشرق میں ہوئے ہوں (جیسا کہ اوائل میں تھا) یا مغرب میں ہوں جیسا کہ آج کل سب کے چہرے اُدھر ہیں، وہ سطحی اور کھوکھلے ہوتے ہیں۔ اصل تہذیب اور تمدن اعلیٰ نیکیوں پر مبنی ہونا چاہیے اور وہ انسان سیکھتا ہے اللہ پر ایمان لا کر اور فرشتوں پر (جو انسان کے باطن میں نیکی کے محرک ہیں) اور آخرت کے دن پر ایمان لا کر (تاکہ انسان کو اپنے اعمال کی ذمہ داری اور محاسبہ کا خیال رہے) اور اللہ کی کتاب (جو نیکیوں کو سیاہ و سفید میں انسان کے آگے لکھا رکھتی ہے) اور نبیوں پر ایمان لا کر جو نیکیوں کا زندہ نمونہ انسانوں کے آگے پیش کرتے ہیں۔ جہاں تک دنیا کی زندگی کا سوال ہے وہ مال کمانے اور خرچ کرنے سے چلتی ہے۔ سو مال کی اندھا کر دینے والی محبت اور طمع اور لالچ اور ہوس کی آگوں کا علاج یہ ہے کہ مال کی نہ صرف اپنے اور اپنی بیوی بچوں کی جائز ضروریات پر خرچ کیا جائے جو کہ حیوانی سطح ہے کہ حیوان صرف اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے لئے سب کچھ لیتا ہے بلکہ اس سطح سے بلند ہو کر اور انسانی ہمدردی اور رحم کے اعلیٰ جذبات کو پانے کے لئے مال خرچ کرنا چاہیے اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں پر۔ اس خلاصہ کی تفصیل پچھلے دو درسوں میں دیکھ لیجئے۔ مگر اس قسم کے اخراجات ابھی ختم نہیں ہوئے۔ باقی کا ذکر آج پڑھ لیجئے۔

فرمایا کہ مسافر پر بھی خرچ کرو۔ وہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ لوگوں کا خیال ہے کہ پرانے زمانہ میں یہ ممکن تھا۔ میں عرض کروں گا کہ جتنا اس زمانہ میں اس کی ضرورت ہو سکتی ہے کبھی نہ تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں جتنا سفر ہونے لگا ہے نہ صرف ملک کے اندر بلکہ بین الاقوامی یعنی ''انٹرنیشنل ٹریول'' جتنا آج کل ہے کبھی نہ تھا۔ مگر ساتھ ہی ہوٹل اب اس قدر مہنگے ہو گئے کہ الحفیظ! الامان! سوائے کروڑپتیوں کے یا جن کے اخراجاتِ سفر ان کی کمپنیاں یا کوئی حکومتیں دیتی ہوں عام لوگوں کے لئے ہوٹلوں میں ٹھہرنا کمر توڑ اخراجات کا باعث بن جاتا ہے جس کی استطاعت عام لوگوں میں نہیں۔ اس لئے مسافر کو اپنے گھر میں ٹھہرنا جتنا آج کل انسانی ہمدردی اور نیکی کا کام ہے کبھی نہ تھا۔ پھر مسافر کو زرِ مبادلہ Foreign Exchange کی بھی دقت ہوتی ہے۔ پھر سفر میں بعض وقت مسافر کا پیسہ کم ہو جاتا ہے یا چوری ہو جاتا ہے۔ اس کی مالی مدد کرنے پر یہ ڈر ہوتا ہے کہ وہ مسافر اپنے وطن جا کر وہ رقم واپس کرے گا یا نہیں تو فرمایا کہ اس امکان کے باوجود اس کی مدد کرو۔ اگر وہ واپس نہ کرے تو وہ تمہاری طرف سے صدقہ ہو جائے گا۔ اسی طرح بعض وقت سفر ضروری آن پڑتا ہے اور انسان کے ہاتھ میں پیسہ نہیں ہوتا۔ تو اس کی اگر مدد کر دی جائے تو یہ بڑی نیکی ہے۔

پھر فرمایا کہ سوالی کی بھی مدد کرو۔ جہاں کسی نے سوال کیا اور ہم بھڑک اٹھتے ہیں۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں کیا پتہ کہ یہ واقعی حاجت مند ہے یا نہیں۔ اگر فی الواقعہ نہیں بھی تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیتا ہے جبکہ تم اچھی خاصی حالت میں ہوتے ہو مگر پھر بھی اور دیتا چلا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو سیکھنے کا جو حکم رسول اللہ صلعم نے دیا ہے یا اللہ کے رنگ میں رنگین ہونے کی جو تعلیم قرآن سکھلاتا ہے اُسے اسی طرح حاصل کیا جا سکتا ہے کہ سوالی کی مدد کرو اگرچہ تمہیں یہ یقین نہ بھی ہو کہ وہ واقعی حاجت مند ہے۔ حدیث شریف میں تو یہاں تک آیا ہے کہ سوالی اگر گھوڑے پر بھی چڑھ کر آئے تو اس کی مدد کرو۔ ہاں خواہ مخواہ سوال کرنے سے روکا بھی ہے مگر وہ اس شخص کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔

آخیر میں فرمایا کہ جن کی گردنیں دبی ہوئی ہیں ان کو چھڑانے کے لئے بھی اپنے مال کو خرچ کرو۔ لوگوں نے اس کے معنے غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے ہیں۔ غلام تو آج کل نہیں ہوتے۔ ہاں اگر جنگی قیدی ہو اور اس کا فدیہ ادا کر کے اسے رہا کر دیا جائے تو یہ بڑی نیکی ہے۔ مگر ایک شکل ہے گردن دبی ہوئی ہونے کی جو بہت عام ہے۔ وہ ہے قرضہ میں۔ تو مقروض کا قرضہ ادا کر کے اس کی گردن چھڑا دینا بہت ہی بڑی نیکی کا کام ہے۔ اس رقم کو واپس لینے کا مطالبہ کرنا اس نیکی کو گھٹا دینا ہے۔

پھر فرمایا کہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا بڑی نیکیاں ہیں۔ ان دونوں کا ذکر سورۃ بقرۃ کے پہلے رکوع کے درس میں آچکا ہے اس لئے میں تفصیل سے بحث نہیں کروں گا۔ نماز اگر قائم کی جائے اور محض اُٹھک بیٹھک نہ ہو تو وہ نہ صرف خدا پر زندہ ایمان پیدا کرتی ہے بلکہ انسان کے باطن اور اس کے اعمال کو پاک و صاف کرتی ہے جیسا کہ فرمایا **ان الصّلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر** کہ نماز اگر قائم کی جائے یعنی سوچ سمجھ کر پڑھی جائے اور محض رسمی اُٹھک بیٹھک نہ ہو تو وہ انسانوں کو بے حیائی اور بدی کے کاموں سے روکتی ہے کیونکہ وہ ایمان پیدا کرتی ہے کہ خدا انسان کے ساتھ ہر جگہ ہے اُسے دیکھ رہا ہے۔ اس کے دل کی حالت کو جانتا ہے تو فرمایا کہ نماز کے ذریعہ سے اپنے باطن کو اور اپنے اعمال کو پاک کرو۔ اور زکوٰۃ کے ذریعہ سے اپنے مال کو پاک کرو۔ مال کی محبت انسان کے دل کی سب سے بڑی گندگی ہے۔ زکوٰۃ جو فرض اور بڑی رقم ہوتی ہے وہ انسان کے دل میں مال کی محبت پر چھری پھیر کر مال کے بُت کو دل کے اندر سے باہر نکال پھینکتی ہے۔

اگلی بڑی نیکی فرمائی کہ عہد جو کرو اُسے پورا کرو۔ یہ عہد ہر قسم کا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان۔ آقا اور نوکر کے درمیان۔ تجارت اور انڈسٹری میں یا کسی اور لین دین میں۔ حکومتوں کے درمیان وغیرہ وغیرہ۔ کتنے خاوند ہیں جو عہد کر کے مکر جاتے ہیں۔ آج کل تو نوکر یا مزدور عہد کر کے پورا نہیں کرتے۔ اگلے دن آنے کو کہتے ہیں اور نہیں آتے۔ اور جہاں تک حکومتوں کا تعلق ہے وہ تو اپنے عہد تبھی تک نبھاتی ہیں جب تک کہ مجبوری ہو۔ جہاں موقع ملے توڑ دیتی ہیں۔ درس لمبا ہو جائے گا وگرنہ میں سناتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح نقصان اٹھا کر اور سخت تکلیف اٹھا کر بھی اپنے عہدوں کو پورا کیا۔ آپ کی سوانح عمری کو پڑھ لیجئے۔

آخر میں فرمایا **والصّبرین** یعنی اُن حالات میں صبر کا نمونہ دکھانے والے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس آیت کے پچھلے حصّہ میں جو طرزِ کلام ہے تو یہاں **والصبرون** آنا چاہیے تھا مگر **والصبرین** نصب علی المدح ہے۔ یعنی پچھلی نیکیاں بھی بہت قابلِ تعریف ہیں۔ مگر اب جن نیکیوں کا ذکر آنے والا ہے وہ تو خصوصاً یعنی بہت ہی قابلِ تعریف خوبیاں ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ سن لیجئے۔

فی الباساء : تنگی یا فقر یا بھوک میں صبر کا نمونہ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کوشش نہ کرے کہ اس کی تنگی یا بھوک دور ہو جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر باوجود کوشش کے انسان پر غربت اور تنگی ہو تو اس پر صبر کرے اور چوری یا ڈاکہ یا رشوت یا بے ایمانی کا راستہ نہ اختیار کرے۔ آج دنیا میں اکثریت غربت اور تنگی میں ہے۔ امریکہ جیسے امیر ملک میں ۳۰ فیصد ہی لوگ ایسے ہیں۔ اور مہنگائی دن بدن بڑھ رہی ہے۔ ان حالات میں انسان رشوت، بے ایمانی، چوری وغیرہ پر نہ اُتر آئے اور نیکی پر صبر کرے تو یہ ہے تو سخت مجاہدہ مگر ہے بہت ہی بڑی نیکی۔ اور آخرت کا محاسبہ جو پیسہ والوں پر بہت سخت ہوگا جیسا کہ قرآن اور حدیث دونوں میں بکثرت ذکر آتا ہے اس سے انسان بچ جاتا ہے۔ اور فقر و فاقہ یا تنگی میں جو ایمانداری اور خدا خوفی کا نمونہ ایسا انسان دکھاتا ہے وہ اعلیٰ ترین نیکی ہے۔ خود صبر جیسا کہ میں ایک پچھلے درس میں بتا آیا ہوں اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان صفت ہے جسے ایسا انسان حاصل کر لیتا ہے۔

والضراء : بیماریوں اور دکھوں میں صبر۔ یہ مضمون بھی پہلے آچکا ہے کہ تقدیر کے رنگ میں بیماریاں اور دکھ ضرور آتے ہیں۔ اگر علاج معالجہ کوشش اور دعا کے باوجود نہ ٹلیں تو صبر سے برداشت کرنا بہت ہی بلند مقام ہے۔ اس کی تفصیل پچھلے کسی درس میں آچکی ہے۔

حین الباس : مقابلہ کے وقت صبر۔ لوگوں نے دشمن سے مقابلہ سمجھا ہے۔ وہ بھی ٹھیک ہے۔ مگر مقابلہ تو انسان کو اور کئی رنگ میں بھی درپیش ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **جاھدوا اھوآء کم کما تجاھدون اعداء کم**۔ اپنی گری ہوئی خواہشات کا مقابلہ کرو جس طرح تم دشمن کا مقابلہ کرتے ہو۔ اسی طرح باطل کا مقابلہ ہر آن کرنا پڑتا ہے کہ انسان حق پر قائم رہے اور باطل کا مقابلہ کرے۔ شیطان کا مقابلہ بھی ہر آن کرنا پڑتا ہے کہ وہ انسان کو ورغلاتا رہتا ہے۔ پھر فتنے اٹھتے ہیں ان کا مقابلہ کرنا چاہیے نہ کہ انسان اُن سے دب رہے۔

فرمایا ایسے لوگ صادق ہیں یعنی ان کا ظاہر اور باطن ایک ہو جاتا ہے جو کہ صدق کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ پھر ایسے لوگ ہی اپنے زبان ایمان کو اپنے عمل اور نمونہ سے سچا کر دکھاتے ہیں۔ آخر میں فرمایا کہ یہی متقی ہیں۔ یعنی یہی لوگ ہیں جو تمام برائیاں اور شیطانی تحریکات سے بچ جاتے اور ان کے اعمال پاک ہو جاتے ہیں اور ان کے نفس بھی پاک ہو جاتا ہیں اس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ مقام ممکن نہیں۔

باہمی رابطہ

اہمیت

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ نے احباب کی توجہ اس طرف دلائی ہے کہ حضرت امیر اوّل حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے درد دل سے کہا تھا کہ ہم نے چند بکھرے ہوئے موتیوں کو بڑی جانفشانی سے اکٹھا کر کے ایک مالا تیار کر دی۔ اس کو مضبوط کرنا۔ وقت گذرنے اور حادثات زمانے کے ساتھ ہر چیز یا ہر تحریک زنگ آلود ہو جاتی ہے۔ اس کو پھر نمی دینے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کا علاج آنکھ کے پانی سے بمطابق مجدد اعظم کرنا پڑتا ہے اور میدان عمل میں آنا ہوتا ہے۔ اسی جذبہ محرکہ کے پیش نظر رابطہ کے آغاز میں بہتری لانے کے لئے عملی اقدام ضروری ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ اے نبی تو داروغہ نہیں تیرا کام پیغام حق کو انسانوں تک پہنچانا ہے۔ اسی طرح آج وقت آ گیا ہے۔ کہ جماعت کا ہر فرد اپنی استطاعت کے مطابق رابطہ باہمی میں شامل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے اس کی ابتداء دوستوں کے مشورہ سے لاہور شہر سے پہلے لاہور سے باہر کے افراد سے رابطہ کا آغاز کر دیا ہے تا کہ سالانہ دعائیہ کے لئے احباب ذہنی طور پر تیاری کر لیں۔

ضلع شیخوپورہ

18 اکتوبر 2013ء کو ضلع شیخوپورہ میں سانگلہ ہل جماعت کے بزرگ ملک ناصر احمد صاحب کی عیادت کے لئے بندہ حاضر ہوا۔ احباب جماعت سے سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ غیر از جماعت احباب سے بھی ملاقات ہوئی۔ ملک صاحب کی فیملی نے سالانہ دعائیہ میں شرکت کا وعدہ کیا ہے۔

ضلع فیصل آباد

فیصل آباد سے ملحقہ گاؤں میں احباب سے ملاقات کے لئے خاکسار 20 اکتوبر 2013ء کو پہنچا۔ اللہ کا شکر ہے کہ بچوں، خواتین اور احباب نے دلچسپی سے باتیں سنیں اور سالانہ دعائیہ کا عندیہ دیا۔ ان کے سربراہ شکیل احمد صاحب کی پوری فیملی نے آنے کا وعدہ کیا ہے۔

ضلع سیالکوٹ

ضلع سیالکوٹ کی تحصیل پسرور میں ایک پرانے بزرگ حاجی اللہ رکھا درویش کی فیملی رہائش پذیر ہے ان سے 23 اکتوبر 2013ء کو رابطہ کیا گیا انہوں نے عندیہ دیا کہ بدوملہی احباب سے رابطہ کریں گے اور جب بدوملہی جماعت کا رابطہ دورہ ہو گا تو وہاں وہ تشریف بھی لائیں گے۔

ضلع نارووال

(۱): اس ضلع کے ایک مشہور خاندان کا تعلق زمانہ ماضی میں احمدیہ جماعت لاہور سے ہوا کرتا تھا۔ ان کی اولاد سے رابطہ کیا گیا ہے اور امید ہے کہ برف ضرور پگھلے گی۔

(۲): ضلع نارووال کے ایک دور دراز گاؤں میں ایک خاندان کا تعلق لاہور جماعت احمدیہ سے تھا۔ ان کی کچھ تعلق داری کا پتہ چلا یا ہے۔ ان کو بھی سالانہ دعائیہ میں آنے کی دعوت دی ہے۔

ضلع گوجرانوالہ

چند سالوں سے بدوملہی کا ایک خاندان گوجرانوالہ شہر میں منتقل ہو چکا ہے۔ ان سے رابطہ کیا گیا اور الحمدللہ ان کے ایک سربراہ خود دارالسلام تشریف لے آئے ہیں اور سالانہ دعائیہ میں شرکت بھی کریں گے۔

میری بطور ایک ادنیٰ کارکن کے دلی تمنا ہے کہ حضرت امیر کے فرمان کے مطابق ہر فرد جماعتی دھارے میں تحریک پیدا کرے۔ انشاء اللہ مقامی جماعتوں کو متحرک کرنے کے لئے دوسری رپورٹ پیغام صلح کے اگلے شمارے میں پیش ہوگی۔ آمین۔

☆☆☆☆

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کپار شیدرروڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔ ۵۔ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

بیادِ مُفسرِ قرآن

''امیرِ اوّل حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ''

از: چوہدری ناصر احمد صاحب (شاہدرہ)

یا رب وہ زندگی کے پیارے کدھر گئے　　ساحل کو کیا ہوا ، وہ کنارے کدھر گئے

وہ نکتہ چیں اور فہم و تدبر کے راہنما　　وہ اُن کے دلربانہ اشارے کدھر گئے

وہ آفتابِ علم اور روشن چراغِ راہ　　وہ ضوفشاں اَدب کے ستارے کدھر گئے

قرآن کے وہ مُفسر اور نگہ نواز مفکر　　وہ روحانیت اور درس کے نظارے کدھر گئے

ہر لمحہ جستجوئے تدبر خیال تھے　　ہر لمحہ سوز غم کے شرارے کدھر گئے

خاکِ دارالسلام تو ہی ذرا اس کا بھید کھول　　جیتے تھے جن کے دَم سے وہ سہارے کدھر گئے

وہ تاجدارِ انجمن ۔ وہ اہل قلم ۔ وہ اہل نظر　　وہ منزل کے سنگِ میل اشارے کدھر گئے

ناصر لے کام ضبط سے اشکِ رواں کو تھام

ہر دل کی اک صدائے الم ہے تیرا پیغام

☆☆☆☆

’’وہ جس نے کیا دین کو دنیا پر مقدم‘‘

حضرت امیر مولانا صدرالدین رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۹۷۰ء میں ٹرینیڈاڈ، سرینام، انگلستان، جرمنی وغیرہ کا دورہ فرمایا اور ۱۹ جولائی ۱۹۷۰ء سے ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۰ء تک تقریباً تین ماہ آپ نے پاکستان سے باہر گذارے۔ اس عرصہ میں آپ نے بے شمار لیکچر دیئے اور یہ دورہ ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ دورہ پر روانگی سے قبل مرحوم کے ایک عقیدت مند شاعر نے بالفاظِ ذیل آپ کو جو خراجِ عقیدت پیش کیا تھا وہ اس قابل ہے کہ اسے دوبارہ اس شمارہ کی زینت بنایا جائے۔ (ادارہ)

وُہ پیکرِ تنویر جو پیری میں جواں ہے
لاریب مُجدّد کی صداقت کا نِشاں ہے

اوصافِ مُحمدؐ کا ثنا خواں اگر ہے
دانائے مقاماتِ مسیحائے زماں ہے

وُہ جس نے کیا دین کو دُنیا پر مُقدّم
وُہ جس کی نظر محرمِ اِسرارِ نہاں ہے

وُہ جانِ دو عالمؐ کی اداؤں کا فِدائی
دنیا کی طلب ہے نہ غمِ سو دو زیاں ہے

جو تارکِ لذّات ہوا حق کی طالب میں
جو فقر میں بھی باعثِ صد رشکِ شہاں ہے

آدابِ جنوں آتے ہیں اس مردِ جری کو
برلن کی فضاؤں میں گرا جس کا نشاں ہے

میخانہ افرنگ ہیں مینارِ ہدایت
جو طرب گئہِ نغمہ تکبیرِ اذاں ہے

وہ آیہ ترتیل کی تفسیر سراسر
قراں کے معارف کا حسیں زمزمہ خواں ہے

حق ترسی و ایثار ، خطا پوشی و شفقت
جس قوم میں ہوں خالقِ تقدیرِ جہاں ہے

لڑتا رہا تا عمر جہانِ تگ و دو میں
آفات و بلیات میں مانند یلاں ہے

یہ ولولہ عِشق ، یہ پابندی پیاں
صد سالہ جواں وادی سلطے کو رواں ہے

یہ عمر ، یہ تبلیغ کا جذبہ ، یہ عزیمت
حیرت زدہ اس بزم کا ہر پیرو جواں ہے

اس مردِ خدامست کا حق حامی و ناصر
جو نصرتِ دین کی راہوں میں دواں ہے